

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتابیں اور دھو

از سنہ ۱۱۲۰ ھ تا ۱۳۵۴ ھ بم ۱۷۱۵ء تا ۱۹۵۷ء

مولانا ظہیر احمد باقوی راہی فدائی

ترتیب و مقدمہ:

یس ایوب احمد باقوی ایم پی

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

A.C.C. No.

144

”کد پہ میں اردو“

ایک ہزار

ڈبلکس ایڈیشن / 40 Rs؛ معمولی / 20 Rs

ٹمل ناڈو اردو پبلیکیشنز، مدراس 2

۱۳۷۱ھ م ۱۹۹۲ء

مولانا ظہیر احمد باقوی راہتی فدائی

علیم صبا تویدی: 26 امیر النساء، بیگم اسٹریٹ

مونٹ روڈ - مدراس - 600 002

محمد شریف برکاتی 12۔ محمد پورہ دوسری گلی

آمبور (این اے اے) 802 635

ایوب احمد باقوی - ایم اے؛

نام کتاب

تعداد

قیمت

مطبع

سین اشاعت

مصنف

زیر اہتمام

کتابت

ترتیب و مقدمہ

ملنے کے پتے:

دہلی، بمبئی - علی گڑھ -

رائی منڈی - الہ آباد -

برہ پورہ - بھاگلپور - بہار -

26 - امیر النساء، بیگم اسٹریٹ، مونٹ روڈ - مدراس 600 002

نیا پورہ، مالیک گاوں - (ناسک)

6/184 - برہان الدین اسٹریٹ - کد پہ 516 001

12/4 - کریا چاری اسٹریٹ - ویلور 12 (این اے)

۱۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

۲۔ شب خون کتاب گھر

۳۔ مکتبہ کہسار

۴۔ ٹمل ناڈو اردو پبلیکیشنز

۵۔ مکتبہ توازن

۶۔ ابو الحسن اکاڈمی

۱۔ مولانا جعفر حسین صبا باقوی

Acc. No.

144

انتساب

بنام

مکرمی و شفقی جناب شمس الرحمن فاروقی زید مجده
 و
 صدیق صادق ڈاکٹر محمد علی اثر زید اقبالہ
 و
 یارِ غم خوار جناب عقیل جامد زید کرمہ

خدایا مطلع انوارِ رحمت ساز جانم را
 کلیدِ مخزنِ انوارِ دل گردان زبانه‌ام را

ترتیب

۱	مقدمہ	پیس ایوب احمد باقوی ایم۔ اے۔
۲	تعارف	علیم صبا نویدی
۳	حضرت شاہ من عرف	
۴	حضرت محرابین رضا	
۵	حضرت حیدر ابن جعفر	
۶	حضرت شاہ جمال (اول)	
۷	حضرت میاں شہاب شہید	
۸	حضرت ولی دیلوری	
۹	حضرت شاہ میر (اول)	
۱۰	حضرت شاہ نور اللہ	
۱۱	حضرت شاہ کمال	
۱۲	حضرت شاہ لامع	
۱۳	حضرت شاہ جمال (ثانی)	
۱۴	حضرت شہمیر (ثانی)، بیزنگ	
۱۵	حضرت شاہ اکمل	
۱۶	حضرت شاہ سالک	

حضرت شاہ عبد	۱۷
حضرت شاہ افضل	۱۸
حضرت شاہ مخدوم اللہ	۱۹
حضرت شاہ مقبل	۲۰
حضرت شاہ میر (ثالث)	۲۱
حضرت غوث خان عرباں	۲۲
حضرت ذوالفقار علی خان ضیا	۲۳
حضرت لعل خان ادیب	۲۴
حوالہ جات	۲۵

• لیں ایوب الحمد باقوی ایم لے؛

مقدمہ

بجز اللہ یہ بات اب تاریخی حقیقت بن چکی ہے کہ زبانِ اردو ابتداءً افریش
 ہی سے اہلِ دل صوفیا کی آغوشِ تربیت میں نشوونما پاتی رہی اور اس کی داغ بیل ان بے سرو
 سامان فقیروں کے ہاتھوں پڑی تھی۔ جن کے نقوشِ پاکِ ضو پاشی دشت و صحرا کے ہر نشیب و
 فراز کو، اور شہر و قریہ کے ہر کوچہ و بازار کو بلا امتیاز من و تو یکساں طور پر منور کر رہی ہے۔
 اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کے قدیم ممالک بجا پور و گولکنڈا اور مشہور مراکز دہلی و لکھنؤ سے
 ہٹ کر جنوبِ بعید کے شہروں اور قصبوں میں بھی اردو صدیوں سے نہ صرف بنی رہی بلکہ
 خوب پھلتی اور پھولتی رہی ہے۔ اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے ”کدپہ میں اردو“ (۱۱۲۰ھ
 تا ۱۳۷۰ھ) کا مطالعہ کافی و تشافی ہوگا۔ کیوں کہ یہاں ایک طرف دربارِ سدھوٹ اور
 کدپہ سے وابستہ ادبا و شعرا اور دوسری طرف آستانوں اور خانقاہوں کے پروردہ
 علماء و صوفیاء اردو زبان کی ترقی و ترویج میں برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔ بمصدق
 ”قطرہ قطرہ بہم شود ریا“ ان دور افتادہ شہروں اور قریوں کی ادبی تاریخ، اس عظیم
 تاریخِ ادبِ اردو کے بجز خاں کا جزو لا ینفک ہے، جس کے بغیر انسان کی تاریخِ کامل و
 مکمل نہیں کہی جاسکتی لہذا یہاں کے ہر قطرے میں اصحابِ بصیرت کو ایک ٹھاٹھیں
 مارتا ہوا سمندر نظر آئے گا، بشرطیکہ دیکھنے کی مخلصانہ سعی کی جائے۔ بقولِ حضرت
 وفاقِ بختیاری: ے
 بایں دیوانگی اتنی بصیرت مجھ کو حاصل ہے اٹھا کر ایک قطرہ نبضِ طوفان دیکھ لیتا ہوں

حضرت راہتی کی یہ معرکہ آرا پیشکش ”کڈ پہ میں اردو“ کئی اعتبار سے قابلِ دید اور لائقِ داد و تحسین ہے۔ اس کتاب میں جملہ اکیسویں شعراء کا تذکرہ شامل کیا گیا ہے، جس میں قدیم ترین شاعر محمد ابنِ رضا، مترجم قصیدہ بردہ اور سب سے آخر میں نعل خان ادیب کڈ پوی ہیں۔ گویا مولانا نے تقریباً تین سو سالہ ادبی تاریخ کے تانے بانے جوڑے ہیں اور کئی گمشدہ کڑیوں کو دریافت کر کے انھیں اگلے پچھلے حلقوں کے ساتھ جوڑ کر سلسلۃ الذہب کی صورت میں پیش کیا ہے۔ مثلاً آپ نے پہلی بار حضرت شہمیر اول کے والد حضرت شاہ جمال (اول) کا کلام پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ نور اللہ بادشاہ قادریؒ برادر حضرت شہمیر اول کا اردو کلام اور آپ کی نشر کے نمونے براہِ راست حوالوں سے پیش کرنے کا سہرا بھی آپ کے سر جاتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت شاہ مخدوم الہی کا کلام اور آپ کا رسالہ ”کلمۃ الخلق“ کا تفصیلی ذکر مذکور ہے جو کسی تذکرہ میں نہیں دیکھا گیا۔ مولانا نے شعراء کی ترتیب میں سنِ تصنیف کا لحاظ رکھا ہے۔ جہاں سنِ تصنیف معلوم نہ ہو وہاں سنِ وفات کا اعتبار کیا ہے۔ اگر دونوں امور پر وہ خفا میں بھی ہوں تو شاعر کے عہد کا لحاظ کرتے ہوئے ترتیب میں شامل کیا ہے۔ مثلاً ابنِ رضا، ابنِ جعفر وغیرہ کے تعلق سے ان کے مدح نوابانِ سدھوٹ کی تاریخوں سے ان کے عہد کا تعین کیا گیا ہے۔ یہ بڑی جرأتِ قابلیت کی علامت ہے۔ اس تذکرہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں واقعاتِ کونہ فِ اُس کے اپنے اصل ماخذ سے لیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ تاریخی تطبیق کی بھی محیٰ بلیغ کی گئی ہے۔ مزید برآں مولانا نے ہر شاعر پر اپنا چھٹا جامع تبصرہ رتم فرمایا ہے۔ جس سے آپ کی تنقیدی بصیرت کا علم ہوتا ہے۔ اور قاری کے سامنے کلام کے افہام کی راہ کھل جاتی ہے۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود کوئی بھی تحقیق حرفِ آخر نہیں ہوتی، تحقیق دراصل تاریخی بن لکڑیاں اکٹھا کرنے کا عمل ہے۔ جس میں رطب کے ساتھ یا بس کے در آنے کا امکان رہتا ہے۔ تحقیق منزل نہیں بلکہ نشانِ منزل ہوتی ہے۔ اسی لیے

تحقیق کے لیے راہ نمائی کا کام سرانجام دیتی ہے۔ مثال کے طور پر اس
 بت من عرف گنج بخش کا ذکر اس حیثیت سے کیا گیا ہے کہ آپ کا کلام
 آپ کی ادبی تاریخ میں آپ کا منفرد و بلند و بالا مقام ہوتا۔ مولانا نے ایک
 اور فرمایا کہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد کے کتب خانے کے ایک
 سنی نامعلوم شاعر کی نظم دریافت ہوئی جس میں من عرف بطور خطاب
 لکھا گیا ہے۔ جس کی نشان دہی نصیر الدین ہاشمی نے کی ہے۔ مولانا نے
 طباعت کے مرحلے میں ہے اس لیے اس وقت مزید اضافہ کی گنجائش
 پتہ چلتا ہے کہ تحقیق کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ جو بھی آگے بڑھ کے اٹھالے
 ہوگا۔

سی طرح صادق کڈپوی کا نام ڈاکٹر افضل الدین اقبال صاحب نے اپنی
 میں اردو کی نشوونما (ص ۶۹) میں ضمنا لیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس
 ناپتہ چلا ہے کہ حضرت شاہ صادق علی حسینی القادری خلیفہ سید شاہ
 گنج البحر قدس سرہ (خلیفہ خواجہ میرا حسین خدائما) کڈپہ سے قریب
 میں آسودہ خاک ہیں۔ آپ کا شجرہ بیعت "شرف الانساب" ص ۴۷
 کوئی تصنیف یا تخلیق آپ کی دستیاب نہ ہو سکی۔ بہر حال اس
 ثوں کے بار صف یہ تذکرہ نہ صرف کڈپہ کی ادبی تاریخ میں بلکہ تاریخ
 ایک خوش گوار اور قابل قدر اضافہ ہے۔

اے تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے
 لمی و ادبی تحفے کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

تعارف

تحقیق اور تنقید کا رشتہ بہت گہرا اور مضبوط رہا ہے تحقیق کے بغیر تنقید اور تنقید کے بغیر تحقیق ایک نامکمل سی تاریخ ہے۔ سقراط نے سب سے پہلے انسانوں میں تنقید کے جذبہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور ہمیشہ اپنے شاگردوں سے کہا کہ ”سوچو اور پھر عمل کرو“ اس دور کے یونانی حکمران سقراط کے ہم خیال نہ ہوئے۔ انہوں نے سقراط کے نئے خیالات کو رد کرتے ہوئے اس عظیم فلسفی کی آخری سانس تک کو سزا دی۔

پطرارک سے پہلے روحی کھنڈرات کوئی معنی نہیں رکھتے تھے، وہ اینٹوں اور چٹانوں کے ایک ڈھیر سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ پطرارک نے لوگوں کو قیصرِ آدم کی یادگاروں کی طرف متوجہ کرایا اور انہیں آثاریہ قدیمہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھنے اور ذہنی طور پر ان میں دل چسپی لینے کا فن سکھلایا۔ یہیں سے لوگوں میں تحقیق اور تنقید کا درک پیدا ہوا، اور انھوں نے اس عظیم کائنات کی عجیب و غریب اور اپنی فہم و ادراک سے بالاتر پُر پیچ کھاڑیوں میں گھوجانا اور ان پیچوں سے نکلنا سیکھا۔ نشاۃ ثانیہ نے آگ پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔ نئی نئی ایجادات معرضِ وجود میں آئیں، اور تلاش و جستجو کی کمرلوں سے نئے نئے انکشافات کے جزیرے رونما اور روشن ہونے لگے۔ اسی تحقیق اور تنقید کی برکت سے آج ہماری کائنات پُر نور اور دیدہ زیب اور پُر کیف نظر آنے لگی ہے۔ اسی تحقیق اور تنقید نے بڑے بڑے فن کار

شاعر، ادیب، نقاد، معمار، نقاش، سنگ تراش اپنی کھوکھ سے جنم دے، جو آسمانِ فکر و فن اور دنیا کی تاریخِ ادب پر نیرِ اعظم بن کر چلے۔

ہرفن کار کے اندر ایک نقاد بھی چھپا ہوا ہوتا ہے، جو فن کار کو ہمیشہ بیدار رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فن کار اپنے خارجی اور داخلی چیلنجوں کو قبول کرتے ہوئے ان کا مقابلہ کرتا رہتا ہے اور اپنی ایک جداگانہ راہ بناتا ہوا آگے کی سمت نکل جاتا ہے ورنہ ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی، ہومر کی رزمیہ نظمیں، مائیکل آنجلو کی سنگ تراشی کا شاہ کار Last Judgement اور لیونارڈو ڈی ونسی کی نقاشی کا بہترین نمونہ Last Supper عالمِ شہود پر نہ آئے ہوتے۔ والیکی کی رامائن، رشی دیاس کی جہا بھارت، کالی داس کی شکنتلا، فردوسی کا شاہ نامہ، کبیر داس اور امیر خسرو کا فن، میر وغالب، مومن و اقبال کی شاعری وغیرہ زندہ جاوید نہ ہوئے ہوتے مولانا راہی فدائی کی شخصیت اور فن اردو ادب کے وسیع تر جزیرے

میں اُس نورافشاں اقل کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی کرونوں سے نہ صرف سر زمینِ گدپہ (آندھرا) اور دیور (ٹمناڈ) کے دینی مدارس بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ادبی تنقید اور علمی تحقیق کی فضا میں آج بھی روشن اور متور ہیں۔ راہی نے جہاں تحقیق اور تنقید میں نئے معلوماتی دائروں کو وسعت اور کشادگی بخشی ہے وہیں اپنی غزلیہ شاعری کو کشش اور فکرِ حیات آفریں اظہار، جلوہ فشاں احساس اور جذبہ کی ست رنگ دھنک سے لیس کیا ہے۔ موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ کہ آپ نے شاعری کی زبان میں جانوروں کیڑے مکوڑوں سے کام لینے ہوئے آج کے معاشرے کی اصلاح کی ہے۔ آپ نے بند بجاتے ہوئے، اُلوؤں کے نقاب گراتے ہوئے، بھجوروں سے ڈنک پر ڈنک لگاتے ہوئے آج کے انسانی ذہن میں جنم لینے والی درندگی کی بخوبی منظر کشی کی ہے

راہی فدائی کی شعری تخلیقات سے ہٹ کر نثری تالیفات پر نظر جاتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ مولانا جہاں بھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا بہترین ثبوت دیا ہے۔ آپ کی تالیفات میں سے پہلی تالیف ”مسلکِ باقیات“

مطبوعہ ۱۹۹۱ء موجودہ مذہبی افراد و تفریط کے ماحول میں ایک طرغ کی راہ اعتدال کی نشان دہی کرتی ہے۔ آپ کی دوسری کتاب ”تجزیہ“ ہے (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) جس میں مولانا کے موصوف نے اپنے گہوارہ علمی (مدرسہ باقیات صالحات ویلور) کے بانی حضرت علامہ شاہ عبدالوہاب صاحب قادری قدس سرہ کے بارے میں کی گئی غلط تاریخ نگاری کا مدلل رد فرمایا ہے۔

ایک اور تالیف ”باقیات ایک جہاں“ (مطبوعہ ۱۹۸۳ء) میں بانی باقیات اور اکابرین باقیات کے سوانحی اور علمی کارناموں نیز ادبی تخلیقات کو یکجا کر کے اپنی تعلیم گاہ کا بھرپور حق ادا کیا ہے۔

اگر کتاب نظر آپ کی چوتھی تحقیقی کتاب ہے۔ جس کے غائر مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا راہی فدائی میدان شاعری کے شہسوار ہی نہیں بلکہ مملکتِ نثر کے شہنشاہ بھی ہیں۔ موصوف نے بڑے انہماک اور بڑی جانکاہی سے جنوبی ہند کے چند اہم ادبی کھنڈرات اور آثارِ قدیمہ کی از سر نو کھدائی کی اور تلاش و جستجو کے بعد بعض پوشیدہ خزانوں کو منصفہ شہود پر لا کر دنیا کے ادب کے معلوماتی ذخیرے میں پیش کیا۔ اضافہ کیا ہے۔ بالخصوص ولی ویلوری کے تحقیقی مضمون سے موصوف کی نکتہ رسی، تعمق نظری، تحقیقی اسچ اور بلند پرواز جستجو کا انداز ہوتا ہے۔ مولانا نے جس خوبی سے حجت قائم کر کے مولوی نصیر الدین ہاشمی اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے مغالطہ کو دور کیا ہے، یہ کسی عام محقق کے بس کی بات نہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا راہی کی اس تخلیقاتی ترقی اور ناموری میں شہرِ کڈپہ اور مدراس کے چند اساتذہ کرام و علمائے عظام مثلاً حضرت مولانا سید شاہ محمد یعقوب بغدادی باقوی، حضرت مولانا محمد جعفر حسین فیضی صدیقی، حضرت مولانا فدوی باقوی اور آپ کے شفیق استاذ اور مرشد روحانی شیخ التفسیر حضرت علامہ سید شاہ عبد الجبار باقوی، قادری دامت برکاتہم کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کا خاص دخل رہا ہے، جس کا اعتراف بار بار راہی نے کیا ہے اور راقم الحروف کی بھی یہ خوش قسمتی ہے کہ

ان حضرات کی صحبتوں سے مستفیض ہونے ہوئے اپنی دینی، علمی اور ذہنی پیاس بجھائی ہے۔

مولانا راہی سے راقم کے تعلقات دوستانہ اور بے درانہ نوعیت کے ہیں راقم کو آپ کے اخلاص و مروت کے علاوہ مرتجان مرنج طبیعت اور صلاح کل کے مزاج نے بہت متاثر کیا ہے اور اس کے علاوہ آپ کے پاس زندگی کو سنجیدگی سے سمجھنے اور برتنے کا شعور بھی ہے۔ موصوف کی یہ خوبیاں یقیناً عطاء خداوندی ہیں میرا یہ ایقان ہمیشہ رہا ہے کہ اس طرح کا تخلیقی اور آفاق گیر نقش چھوڑنے والا فن کار صرف عظیم ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ عشق محمدی میں سرشار و غمخور رہنا ہے۔ یہ صفات مولانا راہی میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور وہ عشق محبوب خدا کا ایک ایسا آئینہ ہیں جس کا عکس دینی آماجگا ہوں سے نکل کر اردو ادب کی بارگاہوں میں جلوہ ریز اور نقش گیر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں پہنچے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت خواجہ بابا فرید الدین گنج شکر بھی تھے۔ (جو بہت کم سن تھے) خواجہ غریب نواز نے اپنے خلیفہ سے دریافت فرمایا: کہ بختیار تو نے آج اسے باز (بابا فرید گنج شکر) کو کہاں سے پکڑا یہ تو ساتویں آسمان پر پرواز کرے گا۔ اسی فدائی کی تنقید اور تحقیق سے متعلق میرا عقیدہ بھی یہی ہے۔

آخر میں میں یہی کہوں گا کہ مولانا راہی کی پیش نظر کتاب ”کڈ پیہ میں اردو“ سے تاریخ ادب اردو میں ایک نثرین باب کا اضافہ ہو رہا ہے یہ کتاب نہ صرف ایک مخصوص علاقہ کے ادب کا جائزہ ہے بلکہ اس کے توسط سے دنیا کے اردو کی تاریخی اہمیت کو اجاگر کرنا اور اسے مناسب مقام عطا کرنا مقصود ہے۔ ہماری اپنی تاریخیں چاہے کسی زبان سے متعلق کیوں نہ ہوں عجیب تک اس میں علاقائی رجحانات کو فروغ نہیں ملے گا اس وقت تک تاریخ کا حق ادا نہیں

ہوگا۔ دہلی اور لکھنؤ کی ادبی تاریخ کی جس قدر وقعت اور اہمیت ہوگی اتنی ہی جنوبِ بعید کے غیر معروف شہر کڈپہ، ویلور اور آرکاٹ کی ادبی تاریخ بھی اپنی خاص قدر و منزلت اور بلند و بالا شان و شوکت کی حامل ہوگی بشرطیکہ ہمارے غیر متعصب نقادوں اور محققوں کی نظر میں ہر ریاست کے فن کاروں کے کارناموں پر رہیں نہ کہ بھاری بھر کم شخصیت اور وطنیت پر۔

علف

مدراں
30 اگست 1992ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کدپہ میں اردو

۱۲۰ ماہ ۱۳۷۵ھ م ۱۷۱۵-۱۹۵۷ء

کدپہ جنوبی ہند کے صوبہ آندھرا پر دیش کا مشہور و معروف ضلع ہے جہاں تقریباً تین سو سال سے قدیم اردو یعنی دکنی پھولتی پھلتی رہی ہے۔ یہ واقعی سرت و شادمانی کا مقام ہے کہ زبان اردو کدپہ میں نہ صرف نوابانِ اہل ذوق کی درباروں کی زینت بڑھاتی رہی بلکہ صوفیائے اہل دل کی خافقاہوں میں رشد و ہدایت کا وسیلہ بن کر فروغ بھی پاتی رہی۔

اردو ادب میں کدپہ کا ذکر سب سے پہلے عہدِ سلطان علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے باکمال شاعر سید میراں میاں ہاشمی بیجاپوری (متوفی ۱۰۹۹ھ) کے اشعار میں ہمیں ملتا ہے۔ چنانچہ ’دیوانِ ہاشمی‘ مرتبہ ڈاکٹر حفیظ قتیل ص ۳۱۲ کا یہ شعر کدپہ کے نام کے ساتھ شاعر کے تخلص کو بھی محفوظ کرنے کے لیے کافی ہے۔

و نو اسی مئی چنچی رہی، کدپہ کو آئے ہوں گے
خوش ہو تو ہاشمی نے گھاٹی چڑھے سدم کی

ہاشمی واقعاً کدپہ آئے ہوں یا نہ آئے ہوں مگر یہ بات تو دونوں سے ہی جاسکتی ہے کہ کدپہ جب تالیکوٹا کی قیامت خیز و تاریخ ساز جنگ (۱۵۶۵ء) کے بعد سلطنتِ دجیانگر کے تسلط سے آزاد ہوا تو کدپہ اور اس کے اطراف و اکناف کے علاقوں پر ایک طویل عرصے تک عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کے حملے اور قبضے ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۶ء تا ۱۶۷۲ء) کے مشہور سپہ سالار

محمد سعید میر جملہ نے (۱۰۵۶ھ ۱۶۴۵ء) میں ان علاقوں پر حملہ کر کے بہت جلد کڈپہ اور سدھوٹ فتح کر لئے۔ میر جملہ کی معزولی کے بعد قطب شاہی سلطنت کی طرف سے مذکورہ علاقوں کے بندوبست کے لیے نامور سپہ سالار نیک نام خان (متوفی ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ء) کا فترر تقریباً (۱۰۶۷-۱۶۵۶ء) میں ہوا۔ بعد ازاں کڈپہ، سدھوٹ وغیرہ علاقوں پر حسب ضرورت مختلف حکام مقرر ہوتے رہے۔ یہاں تک ۱۰۹۳ھ ۱۶۸۲ء میں قطب شاہی سلطنت کی جانب سے ان علاقوں کے نظم و نسق کی بحالی کے لیے مشہور و نامور سپہ سالار عبدالنبی خان کا تقرر عمل میں آیا۔ عبدالنبی خان سقوط گولکنڈہ ۱۰۹۹ھ ۱۶۸۷ء تک عامل کرناٹک کی حیثیت سے اپنے فرائض بڑی عمدگی اور حسن و خوبی کے ساتھ نبھاتا رہا، بعد ازاں اس نے مغل سلطنت کی تابعداری قبول کر لی۔ چنانچہ عالمگیر اورنگ زیب (۱۰۹۸ھ تا ۱۱۱۸ھ) نے اس افغان نژاد میانہ خاندان کے فرد فرید یعنی عبدالنبی خان میانہ کو اس کے خدمات کے اعزاز میں کرشناگری، باراحمل اور چدم برم کی جاگیریں عطا کی تھیں۔ کڈپہ ان دنوں سدھوٹ سرکار پر گنہ چنور کے ماتحت قبضہ تھا۔ عہد عبدالنبی خان میں اس کی خوب ترقی ہوئی چنانچہ یہاں پر شکوہ محلات، خوب صورت باغات اور شیریں چشمے اور صاف و شفاف نہریں وجود پذیر ہوئیں۔ الغرض سلطنت وجیانگر کے زوال کے بعد کڈپہ اور اس کے قریب جوار کے علاقے سلطنت بیجاپور و گولکنڈہ کے زیر تسلط رہے ہیں۔ جہاں پر اردو زبان کی شاہانہ سرپرستی کی جاتی تھی اور اردو کو سرکاری و قومی زبان کا اعزاز بخشا گیا تھا تو اس صورت حال کے مد نظر یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ بیجاپور و گولکنڈہ کی مروجہ زبان کے اثرات ان زیر تسلط علاقوں پر بھی واقع ہوئے ہوں گے۔ اس طرح کڈپہ میں اردو زبان کی شروعات ہوئی ہوگی۔ اردو زبان کی شیرینی اور شائستگی کی وجہ سے یہاں کے عوام و خواص مقامی زبان تلگو (TELGU) کے ساتھ اردو کے بھی شائق ہوتے گئے۔ بالخصوص مسلمانوں کی مادری زبان کی حیثیت سے اس کا وزن و وقار کافی بڑھ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ خانوادہ گیسو دراز بندہ نواز کے مشہور و معروف صاحب تصنیف بزرگ حضرت خواجہ ابوالحسن علی اعلیٰ شیر خاں بیجاپوری (متوفی ۱۰۸۶ھ) کے نامور خلیفہ حضرت خواجہ

مَنْ عَرَفَ كُنْجَ نَجْشِ عَمَّ اور آپ کے جانشین و خلیفہ حضرت خواجہ عارف فیض بخش شمع
 رشد و ہدایت کو فروزاں کرنے کے لیے نہر کڈ پڑ تشریف لائے اور پھر اسی سرزمین میں آسودہ
 خاک ہو گئے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان بزرگوں نے عوام ہی کی زبان میں اپنا مشن
 جاری رکھا تھا۔ چنانچہ سلسلہ بندہ نواز کے تمام صوفیائے کرام دکنی زبان کے نہ صرف واقف
 کار تھے بلکہ اصحاب تصنیف بھی رہ چکے ہیں۔ کیا بعید ہے کہ حضرت خواجہ مَنْ عَرَفَ کُنْجَ نَجْشِ اور
 آپ کے خلیفے خواجہ عارف فیض بخش بھی صاحب تصنیف رہے ہوں اور کسی وجہ سے اُن
 کی کتابیں ناپید ہو گئی ہوں۔ اس قیاس کی تائید میں بطور ثبوت حضرت خواجہ عارف فیض بخش
 کے خلیفہ حضرت خواجہ سید امین کی تصنیف ”مجدوب السالکین“ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جو
 ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد کا مخزنہ ہے، اس کی تفصیل اس طرح درج فرست ہے :

(۱۸۱) ”مجدوب السالکین“ (۶۸۰) (وراق ۶۵) سطور (۱۱) تقطیع (۵/۳ × ۸/۳)
 خط نستعلیق۔ عتوان سرخی میں۔ مصنف: سید امین، زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ، سنہ
 کتابت قریب ۱۲۳۳ھ یہ دکنی نثر میں ضخیم رسالہ ہے جس میں جگہ جگہ فارسی، ہندی، مرہٹی اور
 دکنی اشعار و اقوال اور عربی آیات و احادیث درج ہیں۔ مصنف نے اپنا اور اپنے مرشد
 نام اور مشرب سبب تالیف میں اس طرح لکھا ہے :

”سید امین فقیر، بندہ شاہ خواجہ عارف کُنْجَ نَجْشِ کا، ہور اسرار ہمارا امین یہ ہور
 سلسلہ ہمارا خواجہ خواجگانِ چشت ہور خواجہ بندہ نواز سے جمال مغربی ہور اُن سے
 کمال بیابانی ہور اون سے میرا جی شمس العشاق ہور اون سے حضرت شاہ برہان صاحب ہور اون
 سے امین الدین اعلیٰ صاحب ہور اون سے بابا شاہ حسینی صاحب ہور اون سے خواجہ مَنْ عَرَفَ
 کُنْجَ نَجْشِ ہور اون سے خواجہ عارف کُنْجَ نَجْشِ صاحب ہور وطن سے تاحّد امین فقیر ننگ“
 ڈاکٹر حسینی شاہد نے حضرت خواجہ مَنْ عَرَفَ کُنْجَ نَجْشِ کو براہِ راست حضرت
 خواجہ امین الدین علی اعلیٰ کے ساتویں خلیفہ قرار دیا ہے۔ جس کی تائید ”تذکرۃ الاعراس“ کی درج
 ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے :

”بست و دوم ذی الحجہ :- شاہ محمد عارف قدس اللہ سرہ، برادرِ اکراٹ از خلیفہ“

جانشین ایشان شہیدہ مریدہ و خلیفہ شاہ من عرف و وسے مرید شاہ امین الدین علی بیجا پوری^{علیہ}
(نوابہ من محرف کے خلفاء میں عارف کڈپوی کے علاوہ عارف آرکاٹی بھی ہیں۔)

بہر حال یہ بات ممکن ہے کہ ”من عرف گنج بخش“ پہلے بابا شاہ حبیبیؒ کے مرید
ہو گئے ہوں پھر مرید کی صلاحیت و استعداد کے ملاحظہ سے شیخ نے مرید کو براہ راست اپنے ہی مرشد و
شیخ سے وابستہ و امن کر دیا ہو جیسا کہ حضرت شاد قرنیؒ و یلوری کے ساتھ پیش آیا کہ آپ نے
اپنے مرشد شیخ فخر الدین ہکمری ناطی کے مرشد شیخ عبدالحق مخدوم ساوی متوفی ۱۱۶۵ھ)
سے بھی اجازت اور خرقہ خلافت حاصل کیا ہے

بہر حال مذکورہ تاریخی حقائق کے باوجود ہمارے پیش نظر موجودہ تحقیقات کی روشنی
میں جس تصنیف کو کڈپہ کی قدیم ترین اردو (دکنی) تصنیف ہونے کا اعزاز حاصل ہے وہ
حاکم کڈپہ خان بہادر نواب عبدالغنی خان میانہ ولد عبدالرحیم خان میانہ (۱۱۱۳ھ ۱۷۰۲ء -
۱۱۵۸ھ ۱۷۴۵ء) کے درباری شاعر محمد ابن رضا کی شنوی ”قصیدہ بردہ“ ہے، جس کا
سال تصنیف بقول نصیر الدین ہاشمی ۱۲۰۰ھ ہے۔

قصیدہ بردہ، عربی کا ایک بے حد مقبول نعتیہ قصیدہ ہے جو شیخ الاسلام
شرف الدین محمد بن سعید بوسیریؒ (المتوفی ۶۹۴ھ) کی تخلیق ہے۔ ”بردہ“ کے معنی عربی
زبان میں چادر کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت امام بوسیری رحمۃ اللہ علیہ
برایک مرتبہ فالج کا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے سارا جسم مفلوج ہو گیا مگر دماغ و زبان محفوظ
رہے، اس موذی مرض کا علاج سیکڑوں قسم سے کیا گیا لیکن کوئی صورت افاقہ کی نظر نہیں آئی تو
آخر کار حضرت بوسیریؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم کرم کو ملتفت کرنے کے لیے باگاہ
رسالت میں فرط عقیدت سے اس قصیدے کو نذر کیا۔ تو وقتاً خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حالت
خواب میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف دید سے مشرف کئے گئے۔ خواب ہی میں حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے قصیدہ سنانے کی فرمائش کی حضرت بوسیریؒ نے یہی قصیدہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بڑے ہی والہانہ انداز میں پیش کیا حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نعتیہ قصیدہ کو سماعت فرما کر اپنی مسرت و انبساط کا اظہار اس طرح

فرمایا کہ اپنے جسم اظہر پر موجود چادر مبارک نکال کر حضرت بوصیریؒ کے بدن پر اڑھا دیا اُس چادر کی برکت سے آپ کا جسم یکلخت صحت مند و توانا ہو گیا۔ فرط مسرت سے حضرت بوصیریؒ کی آنکھ کھل گئی، بیدار ہو کر دیکھتے ہیں تو واقعاً آپ کا جسم پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر نر و تازہ اور صحیح و سالم ہو چکا ہے۔

اس محیر العقول واقعہ کے بعد سے اس قصیدہ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور ”قصیدہ بردہ“ کے نام سے سارے جہاں میں مشہور ہو گیا۔ حضرت بوصیریؒ نے اس قصیدہ کو ۶۸۸ھ میں تخلیق فرمایا تھا۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس قصیدے کے ترجمے ہوئے مگر اس کو دکنی زبان میں ترجمہ کرنے کا شرف محمد ابن رضا کو عطا ہوا۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق قصیدہ بردہ کا یہی اولین اردو ترجمہ ہے۔ تاحال اس کے صرف دو نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ ایک کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد کا مخزن ہے اور دوسرا انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔ مذکورہ دونوں نسخوں کی تفصیل اس طرح ہے:

”نسخہ مخزنہ کتب خانہ سالار جنگ“

”ترجمہ قصیدہ بردہ (۳۱) ادبیات: سائز (7x5) صفحہ (26) سطر (31) خط نستعلیق: کاغذ ولایتی: مترجم کا نام: محمد بن رضا: تاریخ تصنیف: ۲۰ الہ (یہ از روئے فہرست ہے ورنہ کتاب کے اوپر یا اندر کہیں بھی سال تصنیف مذکور نہیں ہے۔ شاید مرتب فہرست نصیر الدین ہاشمی نے بطور قیاس مذکورہ سن لکھ دیا ہے) اس نسخہ خصوصیت یہ ہے کہ کتاب کے ابتداء میں کوئی دیباچہ نہیں، اصل ترجمہ سے شروع ہوتی ہے البتہ ترجمے کے اختتام پر چند اشعار مرقوم ہیں جو درحقیقت دیباچہ کے اشعار ہیں۔ اس نسخے میں نہ کوئی نثری مقدمہ ہے اور نہ ترقیمہ لکھا گیا ہے۔ اس نسخے کے برعکس انڈیا آفس لندن کے نسخے میں مختصر فارسی جملے بھی ہیں اور ترقیمہ بھی موجود ہے۔

نسخہ لندن کی تفصیل :-

بلوم ہارٹ نمبر (32) ورق (50) سائز (7¼x5) سطر (8 تا 11)

خط تعلق: اصل عربی نظم سیاہی سے اور اس کے نیچے سرخ روشنائی میں ترجمہ ہوا۔
ابتداء میں بزبان فارسی چند جملے مرقوم ہیں: ”شروع قصیدہ بردہ، با شرح دکہنی کہ
احقر العباد سراپا اتحاد سید محمد کہ راہ مداد از قدم سداو ثابت است، این نوؤ
آبدار از لجنہ افکار بساحل اظہار آورده بر شتہ انتظام منسلک کرد تا بنزیر قبول
خاص و عام موصول گشتہ زینت عرائس طبائع شود“

اور کتاب کے اختتام پر حسب ذیل عبارت درج ہے :-

”تمام شد قصیدہ بردہ بموجب امر واجب الاذعان والايقان توشید

س

اورچ سخا و مہتاب بر بچ صفا.....

کریم ابن کریم ابن کریم است گل بارغ نواب عبدالرحیم است
دُر بھر نواب عبدالنبی خان معنی با کرم ہم جود و احسان

امیر امرائے عظیم الشان یعنی نواب عبدالحمید خان سلمۃ الرحمن..... یکے
از ایشان فدوی صمیم فقیر خوانِ قدیم الراجی الی رحمت اللہ الصمد، اقل خلق اللہ
سید محمد“

کتاب کے آخر میں فورٹ ولیم کالج کی مہر اردو حروف کے ساتھ ہے۔

ابتدائی اشعار:

حمد حق کا کر اَوَّل تو صفحہ دل پر رقم نام پاک اوس ذات کا ہے زینت لوح قلم
(اوس)

ہی سورج ہو چاند اوس کی صُنع پر دل گواہ ہر کو یا ہیں ستارے صفحہ محض یو کھضم
(ہے) (دور) (اوس) (خلق) (گویا) (صفحہ قلم پر) (ثبت)
شکر اوس کا کب ادا ہو دیکھا ہم سون جیسا ہی مسلم دو جہاں کی تاجداری اوس کے تئیں
(ہے) (ہوگا) (سے) (اس کے لیے)

مصطفیٰ اسی مہرباں کوں ہم اوپر مہر جنم تخت کاہ لامکاں پر جو رکھیا ہے جا قدم
(سے) (کو) (ہم پر) (تخت گاہ) (دکھا)

مرشد و شیخ کا ذکر ہے۔

در درِ مہرے یا دتے شاہ عبد اللہ ہے
(سیاہ دت کی مونیوی میں)

خاک راہ اوس شاہ کے درگاہ عالی جاہ کا
(اوس)

خادم آل محمد یو محمد بن رضا
(رہ)

وہ رضا جوئی میں حق کے ظاہر و باطن میں
(میں)

محبوب تالیف ہے۔

دعا اپنا بیان کرتا محمد ہے جو او
(وہ)

یو قصیدہ پاک جو ہے نعت خیر المرسلین
(یہ)

جو کئے تصنیف روشن دل محمد موسلی
(جو)

شرح اوس کے تئیں کئے ہیں ناسیخ خوش کلام
(اس کی خاطر)

اوس بیدل یو خوش چین خرمق ایل کلام
(اوس کے بلے میں) (بہ)

تا کہ اوس کے فیض کوں دریافت کمر ہر عالم
(اوس کے) (کو)

کہ دعائے خیر اوس عاجز او پر اب لطف سوں
(اوس عاجز پر) (سے)

۵

بادشاہ ملک دل کا چنان اوس کوں لیے ہم
(اوس) (بے و ہم)

ہو رقیس دل سوں اوی کلے غلام بیدرم
(اور) (سے) (غلام بے دام)

احمت یاری تعالیٰ جس پوسے ہر دم بدم
(پہ)

لطف حق سیتے او پایا جنت با رغ ارم
(سے)

۵

دوستی کی راہ پر اب دلی سنی ثابت قدم
(سے)

تھا عربی میں جو مشکل ہے اسے کرنا قہم

قدوہ اہل عرب، مشہور در ملک عجم

مولوی جامی کہ جو کمال اٹھا جوں جام جسم
(مولانا عبد الرحمن جیلانی) (تھا)

شرح دکھنی سوں کیا صفحہ اوپر شیریں رقم
(سے)

فرح و شادی میں رہیں فارغ ہو کر از فکر و غم
(خوشی) (فکر و غم سے)

اس خطا کے خط او پر اصلاح کا بھی نہیں قلم
(اس کی خطا کے خط پر) (سے)

مشرقی ہوئے مجھ پناہ ہوئے گا سورج گرم

(ہو مجھ کو) (ہو جائیگا)

رکھ الہی مجھ اوپر توں سایہ فضل و کرم

(مجھ پر) (تو)

دل میں ہے ثابت مری ہو رکھ خدا یا اس چم

(مرے اور) (قائم)

جکے انجواں سوں ملا جاکر کھیا لہو دمدم

(جگ آخسوخ سے ملا کر رکھ دیا خون)

یا چمک بجلی کی دیکھا رات از کوہِ ظلم

(سے)

کیا ہوا تجھ دل کوں جو کہیں ہوش پا تو ہوئے ندم

(تیرے دل کو) (کہیں) ہوش میں آ (لے دم)

پیشولے لشکرِ ملکِ عرب ملکِ عجم

سیکو ہر محبت و مشکل بیچ ہی ہر دمدم

(ہر مصیبت اور ہر تکلیف کے درمیان ہے)

نکیسی دوسرے میں ایسا علم ہو رہم و کرم

(دہنیں) (دوسرے) (اور)

کر بھاد دیکھی تو ہوئے حیران نین ہو نور کرم

(غور سے دیکھے) (آنکھ) (اور)

اس قصیدے بردہ کا چادر لیا ہوں میں پر

(رکی) (سر)

ہوں جو میں اب دل سستی ملاح تیرے دوست

(سے)

دوستی تجھ دوست کی ہو اس کے آل پاک کی

(تیرے) (اور)

ترجمہ کے اشعار :-

لے محب کر یاد توں ہمسایہ شہر سلم

(تو)

یا چلی باد خوشبو کا ظلم کی شہر سوں !

(کے) (سے)

کیا ہوا تجھ چشم کوں جو بس کہی تو دے زیاد

(تیری آنکھ کو) (کہے) روتی ہے زیادہ

ہی محمدؐ پادشاہِ دو جہانِ جن و انس

(ہے) او خدا کا دوست مجھ جس کے شفاعت کی امید

(وہ) (ہے) (کی)

سب نبیاں سوں یونہی تھا صورت و تیر نبیؐ

(نبیوں سے یہ)

شان اوسکا جیوں سورجوں دور دستا صغیر

اس کی جیسے نظر آئے چھٹا

اختتام :-

ہو عثمان ہو علی سوں جو انتھا صاحب کرم

(اور) (اور) (سے) (تھا)

ہو تو راضی لے خدا بو بکر ہو قاروق سوں

(اور) (سے)

آل ہور اصحاب ہور سب تابعیں سوں جو اتھے صاحبِ تقویٰ و صافی ہور نمکین کر م

(اور)

(اور) (اور) (سے) (تھے)

شاخ جھاڑاں کو ہلا دے جب تلک بادِ صبا خوش کر کیا اونٹ کے تئیں ساریاں کر کر نغم

(دکریگا) (دکی خاطر) (دغھے سناکر)

بخش یارب تو کنتہ قاری کی ہور شرح کے سب بخش سامع ہور کا تب تئیں تو لے صاحبِ کرم

(اور) (تو)

(کنہ) (کے) (اور)

[نوٹ: نسخہ مسالا جنگ میں دوسرا مصرع اس طرح ہے :

”نوش توں کر سامع کیتو لے صاحبِ فضل و کرم“

مندرجہ بالا اشعار و دیگر تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اس قصید کے مترجم

کا نام سید محمد اور تخلص ابنِ رضا تھا جو نہ صرف با کمال شاعر تھا بلکہ فارسی اور عربی کا بھی

عالم و فاضل تھا۔ جسے آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ اس نے سید شاہ

عبد اللہ نامی کسی شیخ طریقت کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور انھیں کا حلقہ بگوش

ہو گیا۔ ابنِ رضا حاکم کڈپہ نواب عبدالنبی خان میانہ ابنِ عبدالرحیم خان میانہ کے دربار

سے وابستہ تھا۔ اس کے علم و کمال سے متاثر ہو کر نواب عبدالنبی خان میانہ نے اسے

اپنے فرزندِ جگر بند نواب عبد الحمید خان میانہ کی تعلیم و تربیت کے لیے منتخب کیا۔ چنانچہ

ابنِ رضا نے اپنے چہیتے شاگرد کی خواہش پر اس قصیدے کا ترجمہ دکھنی زبان میں کیا۔

اس کے علاوہ اس نے شانہ زارہ عبد الحمید خان میانہ کے لیے فارسی میں ”شعب الایمان“

کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جو نسخہ لندن کی جلد میں شامل ہے۔

اب رہا سالِ تصنیف کا معاملہ تو یہ بات و توق سے کہی جاسکتی ہے کہ

قصیدہ بردہ کا یہ دکھنی ترجمہ نواب عبدالنبی خان میانہ ولد عبدالرحیم خان میانہ کے

ابتدائی عہدِ جہاں بانی میں تخلیق پایا ہے۔ جب کہ نواب مذکور کے نورِ نظر و تحتِ جگر،

”عبد الحمید خان میانہ“ کی تعلیم و تربیت ہنوز جاری تھی، عبدالنبی خان کے سات لڑکوں

میں تیسرے لڑکے ہیں اور نواب عبدالنبی خان کا عہدِ حکومت ”میکنترے ریکاڈس“

کی روشنی میں ۱۱۱۴ھ تا ۱۱۵۸ھ یعنی تقریباً پینتالیس سالوں پر محیط ہے۔ جس کی تفصیل راقم کے طویل مقالے ”کڑپہ تاریخ کے جھروکوں سے“ میں مذکور ہے۔ بہر حال اس صورت میں یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ترجمہ ۱۱۱۴ھ کے بعد کے ابتدائی سالوں میں تخلیق پایا ہے۔ محمد ابن رضا کے تفصیلی حالات ابھی تک تاریکی میں ہیں، البتہ کڑپہ کے قلعہ کی مسجد جو نہر داؤد خانی کے کنارہ واقع ہے اس مسجد کے محراب میں پیوست ایک سنگین کتبہ جس میں فارسی اشعار کندہ ہیں، اس حقیقت کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ مسجد بحکم عالم گیر اورنگ زیب ۱۰۳۰ھ میں تعمیر کی گئی ہے اور محمد رضا نامی شاعر نے تاریخ بنائے مسجد اپنے ہی نام کے حروف سے نکالی ہے۔ آخر کے دو شعر اس طرح ہیں:

طلب کردم از عقل تاریخ آن چنین گفت با تف بگو شمع نہاں
کہ اس خانہ فیض فضل خداے بناشد بسال محمد رضاے
یہ عین ممکن ہے کہ یہ شاعر محمد بن رضا ہی ہو، وزن شعر کی مجبوری نے اسے
’ابن‘ حذف کرنے پر آمادہ کیا ہو۔

ایک اور سنگین کتبہ شہر کڑپہ کی عید گاہ کی دیوار میں پیوست ہے، جس میں شاعر کے نام کی صراحت نہیں ہے۔ البتہ کتبے کے اشعار سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس عید گاہ کے بانی نواب عبدالنبی خان بن عبدالرحیم خان بن بہلول خان ہیں اور ان اشعار کی ساخت بتا رہی ہے کہ ان کا خالق وہی ہے جس نے ترجمہ قصیدہ بردہ شریف کے اختتام پر درج ذیل اشعار نظم کئے ہیں:

کریم ابن کریم ابن کریم است گل باغ نواب عبدالرحیم است
دُرِ بحر نواب عبدالنبی خاں سخئی با کرم ہم جود و احساں
عید گاہ کے کتبے میں مرقوم اشعار اس طرح ہیں:

بنا ساختہ عید گاہ بلند امیر کندر سیرا جمند !
مہر مہر نواب بہلول خان چو بدرنسیر است اندر جہاں

کریم است ابنِ کریمِ الکریم درِ بحرِ نواب عبد الرحیم
 سرِ نامدارِ عالی جناب کہ عبد النبی خان است اورا خطاب
 چوتھیں مسجدِ سرانجام داد بتاریخِ آن ہاتفِ الہام داد
 سن یکہزار و صد و سی تمام زہجرِ محمد علیہ السلام
 ۳۰ ۱۱

مزید یہ امر بھی قابلِ غور و فکر ہے کہ محمد ابن رضا چوں کہ درباری شاعر تھے اس لیے ممکن ہے نواب عبد النبی خان میانہ نے اپنے عہد کی تعمیرات کی تاریخ انھیں سے لکھوائی ہو۔ بہر حال ہمارا خیال درست ہو تو محمد ابن رضا کے ۱۳۰ھ تک بقید حیات رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) محمد ابن رضا کی شخصیت پر پڑے دبیز پردوں کو مٹانے کی سعی کے طور پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سدھوٹ کے نام و قاضی حضرت میر عسکری جو برادرِ حضرت شہ میرِ اول حضرت نور اللہ حسینی توڑکڈپوی کے سمدھی یعنی آپ کے دوسرے فرزند سید حسینی باشاہ متوفی ۱۲۳۵ھ کے خسر ہوتے ہیں۔ انہی قاضی صاحب کے والد بزرگوار کا اسم گرامی قاضی محمد رضا تھا جو حضرت امام علی موسیٰ رضا کی اولاد سے تھے اور سدھوٹ ہی کے متوطن تھے۔ بس غالب احتمال یہی ہے کہ محمد ابن رضا اور میر محمد رضا دونوں کی شخصیت ایک ہو، کیوں کہ نام کی موافقت کے علاوہ دونوں کا عہد بھی ایک ہے۔ یعنی دونوں عہدِ نواب عبد النبی خان میانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

نواب عبد النبی خان میانہ کے تیسرے فرزند
 نواب عبد الحمید خان میانہ (۱۱۵۹ھ تا ۱۱۶۱ھ)

محمد حیدر ابن جعفر

کا درباری شاعر محمد حیدر جس کا تخلص ابن جعفر تھا۔ وہ نواب مذکور کے فرزندوں کا اتالیق تھا۔ نواب عبد الحمید خان میانہ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ فرزندوں کے نام اس طرح ہیں: عبد الغفور خان (بڑے فرزند) عبد الکریم خان، عبد الحمید خان، عبد الرحیم خان اور عبد السعید خان۔ ان نواب زادوں میں سے دوسرے فرزند عبد الکریم خان عرف

کرمومیاں کو قصے سننے کا بڑا شوق تھا، اپنے استاد ابن جعفر سے مختلف قصے سنتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کرمومیاں نے سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۲۷ھ تا ۱۰۷۶ھ) کے ممتاز درباری شاعر ابن نشاطی کی معرکہ آرا مثنوی ”پھول بن“ (سال تصنیف ۱۰۶۲ھ) اپنے استاد سے سنی، جس کا اختتام ہمایوں شہزادہ مصر اور ستمبر شہزادی عجم کی ملاقات پر ہوتا ہے، تو کرمومیاں نے استاد سے فرمائش کی کہ دونوں کی شادی کی مکمل تفصیل لکھ دیں تاکہ قصہ کا لطف دوچند ہو جائے۔ شاگرد رشید کی خواہش پر ابن جعفر نے ابن نشاطی کے اختتامی شعر سے

عدالت کار کم اپنی سس پر تاج فراغت سوں سدا کرتا رہا راج
رکھ کر اپنے سر سے

کے بعد بطور تکملہ تین سواکتا لیس (34) اشعار کا اضافہ کر دیا۔ جس میں نہ صرف شادی بیاہ کی تفصیل بیان کی گئی بلکہ مقامی رسم و رواج، تہذیب و تمدن اور اس وقت کے زیور اشیاء و خورد و نوش، رنگارنگ بلبوسات وغیرہ کی مکمل تصویر بڑی عمدگی اور نہایت خوب صورتی کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ ابن جعفر کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فنی چابکدستی اور کمال سادگی نمایاں ہے۔

انڈیا آفس لٹرن میں موجود اس نسخے کی تفصیل اس طرح ہے:

بلوم ہارٹ (Blumhardt) نمبر (103) سائز (8 1/4 x 13) ورق (133) سطر (11) خط نسخ۔ یہ نسخہ نوابان سدھوٹ کے لیے ہی مرتب کیا گیا تھا۔ جس میں عمدہ تصاویر اور مطلقاً کام کیا گیا ہے۔

ابتدائی اشعار:-

محمد مدید جعفر زبان کھول
نچھل دریا سوں دل کے دُر بچن کھول

(شفاف) (سے) (موتی بات)

ستمبر پور ہمایوں شاہ زادہ

(کرنے)

(اور)

اَدُکُ شاہِ عجمِ شاداں ہوا تَدُ

(تہایت) (تب)

لکھا تب یوں دنوں کوں شاہِ نامہ

(ان) (دونوں کوں) (خط)

وَنُو آئے سو خوشخبری سُنیا جَدُ

(اُن کے آنے کی) (سنا) (جب)

روانہ کر یوں محبتِ ساتِ خامہ

(یہ) (کے ساتھ)

مختلف اشعار :-

ہر یک جنگلِ وستی سوں کترتا

(جنگل) (سے) (گزرتا)

نتھی شبِ بلکہ رشکِ روز تھی دو

(نہیں تھی) (وہ)

ہر یک منزلِ مراحلِ قطع کرتا

(ہر ایک)

شبِ شرکشتِ آئی جلوہ کر ہو

(گشت) (گرم) (ہو کر)

مقامی اشیلے خورد و نوش :-

چلے بیاں ہو رہی سوسی بھے رکھی بھر

(اور) (سوسے) (بھی رکھے) (بھر کے)

رکھے پیٹھی کا ہو رہی آمِ کالیا

(پیٹھی) (اور)

منتھائی بھوتِ خوشِ بادام کے کر

(سٹھائی) (بہت)

ترنجی ہو رہی نارنجی مَرَبَا !

(موسمی)

پھنس ہو رہی آمِ خبر بوزی بھی تھی واں

(کھنل) (اور) (بھی تھے وہاں)

ہر یک میوہ انھا ٹیکتے یک خوب

(انھا) (ایک سے بڑھ کر ایک) (اچھا)

اَدُکُ صَمَدِیاں کتیں سب سوں دی مان

(بہت) (سمدھی) (کے لیے) (سے) (دئے غرت)

نہیں باقی رہیا مجلسِ کوئی نیک

(رہی) (ایک)

چلے عارسِ طرف سوں نوشو کی دربار

(سے) (دولہا)

اتھی انکورِ انجیر و اناراں !

(تھے) (انکور)

اتھی تر بوز ہو رہی شہِ ثوتِ مرغوب

(تھے) (اور)

کلاب و عطرِ کل سبوں دئے پان

(کلاب) (کل) (سب کوں)

دی ہر یک کوں اس کا مرتبہ دیک

(دئے) (کو) (دیکھ)

رسمِ سب تیل کا بھی کر کہ تیار

(بھی) (کے)

بھوٹ دن یونچ تھی شادی دو طرفہ وہاں کھاتے تھی کھانا لوک سب
 (بہت) (یوں ہی) تھی (دونوں طرف) (تھے) طعام (لوگ) (آگے)
 شاعر اپنے ممدوح نواب عبدالحمید خان اور اس کے آباء و اجداد کا ذکر خیر بھی
 بڑی خوبی سے بیان کرتا ہے: ۛ

صفت ان بزرگاں کی بیشتر ہیں (بزرگاں) (کے)
 ولیکن یاں کیا ہوں مختصر میں (یہاں)

نواب عبدالنبی خاں کا بھی فرزند (ہے)
 نواب عبدالرحیم کا وہی دلہند (وہ) ہے

کرم کی بجر کا رخشاں کھر ہے (کے)
 نوا بہلول خاں کا وہ جگر ہے (نواب) (وہ) (جگر)

نواب عبدالحمید ہی نام اُسکا (ہے)
 عدل انصاف ہے جم کام اُسکا! (تمام)

ہوا آفات سب ملکی مُلک میں
 رکھیا حق اُسکی تیں امن و اماں میں (رکھا) (خدا) (اُس کی خاطر) (ہے)

سدھوٹ کے قلعے کی تعریف اس طرح کی ہے: ۛ

قلعہ سدھوٹ کی اُن کوں مکاں ہے (کا) (اُن کا)
 مکاں اُسکے تمنّ جکھیں کھاں ہے (اس کی طرح) (جگ میں) کہاں

قلعہ ہی کوئی نہیں ثانی ہی اُسکو (دھی) (دہیں) (ہے) (اس کم)
 ندی لائی ہی سراسکی چرے لسنوں (ہے) (اُسکی) (قدم پر)

جن کی خواہش پر یہ اشعار لکھے گئے اُن کا ذکر بڑی ہنرمندی سے شاعر
 نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ۛ

کریم صاحب اھے اُس نیک کا نام (ہے)
 اھی جیوں نام اُن کا نیک ہی نام (ہے) (ہے)

کریم انکوں دیا ہے نام بھی نیک دیا ہی اس موافق کام بھی نیک
 (اُن کو) (بھی) (ہے) (بھی)

اختتام پر شاعر نے بڑے ہی انکسار سے کام لیتے ہوئے اس طرح گویا

ہوا ہے :

سخن کر چہ نہ تھا کھنی کے لائق ہیں شاعر حک ہیں یکسوں یک فائق
 (گر چہ) (کہنے) (جگ) (ایک سے ایک بہتر)

نہ رکہ خام سخن کا ننک ہو نام لکھیا دو حرف جیوں تیوں پختہ و خام
 (رکھ) (ننگ) اور (لکھا) (جوں توں)

گر اس میں عیب چن تے جاو گے تم تو پختا لفظ یک نہ پاؤ گے تم
 سرایا شعر ہے کچا سراسر رکھو معذور (تم) فضل و کرم کر
 کرو سکتے ہو کر اصلاح کوشی و گر نہیں تو کرو تم عیب پوشی
 (رگ) (ہیں)

ختم کر ابن جعفر کوش توں دہر اتا ابن نشاطی کے بچن پر
 (دگوش) تو (رکھ) (اب) (بات)

ابن جعفر کے حالات پردہ خفا ہیں ہیں۔ اس مخطوطہ کا صرف ایک ہی نسخہ موجود ہے۔ اس لیے اس کی وقعت بڑھ گئی ہے۔ ترقی اردو بیورو نئی دہلی سے حال ہی میں ”پھول بن“ کی اشاعت عمل میں آئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا انڈیا آفس لائبریری کے اس نادر نسخے کو سامنے رکھ کر ابن حیدر کے اضافہ شدہ اشعار بھی شامل اشاعت کر لئے جاتے۔ اس طرح اس کی حفاظت ہو جاتی، یہاں ایک فروگزاشت کی طرف اہل علم کی توجہ مبذول کرنا ضروری ہے کہ نصیر الدین ہاشمی نے اپنی بے مثال تصنیف ”یورپ میں دکھتی مخطوطات“ میں اضافہ ”پھول بن“ کے ذیل میں متعدد مقامات پر یہ بات دہرائی کہ ابن جعفر کا ممدوح کریم خان ابن محسن خان ابن عبدالنبی خان ہے حالانکہ محسن خان لا ولد تھا۔ کریم خان محسن خان کا نہیں بلکہ عبدالحمید خان کا لڑکا ہے۔ جیسا کہ

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ بہر حال کڈپہ کی ادبی تاریخ میں حیدر ابن جعفر کا مقام اس لیے بھی مندرجہ ہے کہ اس نے اپنے اشعار کے ذریعہ نہ صرف سدھوٹ، کڈپہ بلکہ سارے دکن میں اُس وقت رائج شدہ مسلم معاشرے اور ان کی ذہنی ساخت و پرواخت کو آئینہ دکھایا ہے۔ یہ تاریخ تمدن کا اہم حصہ ہے جس کی تفصیلی مطالعہ سے کئی خفیہ درواہ ہوتے ہیں۔

خانوادہ ساداتِ بخارا کے بے حد مقبول و مشہور بزرگ حضرت سید جلال الدین بخاری معروف بہ

حضرت شاہ جمال راجپوٹی

(متوفی ۱۱۶۲ھ ہجری)

مخدوم جہانیاں جہاں گشتِ قدس سرہ (متوفی ۸۵۷ھ) کے چشم و چراغ حضرت سید جمال الدین بخاری المتخلص بہ جمال راجپوٹی ابن حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری گرم کندوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا سلسلہ نسب تیرہ واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ملتا ہے۔ حضرت شاہ جمال ایک متبحر عالم و فاضل اور بلند پایہ صوفی تھے۔ آپ راجپوٹی، ضلع کڈپہ میں توطن اختیار کرنے سے پیشتر اپنے والد بزرگوار کی طرح بیجا پور، شاہ نور (بلگاؤں) اور بدویل (ضلع کڈپہ) میں مختصر مدت کے لیے قیام فرمایا تھا۔ بعد ازاں آپ کڈپہ ہوتے ہوئے راجپوٹی جو کڈپہ سے پچاس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے تشریف لائے اور وہاں ندی کے کنارے تشنگانِ علم عرفان کی سیرابی کے لیے سکونت پذیر ہو گئے اور بنفس نفیس آپ نے اس ندی سے ایک نہر جاری فرمائی جو آج بھی جمال بُگّا (نہر جمال) کے نام سے مشہور ہے۔ آپ عالم باعمل ہونے کے علاوہ بہترین کاتب و خوشنویس تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے قیام بدویل کے دوران علامہ شہرستانی کی معرکہ آرا تصنیف "الملل والنحل" کو بخط نسخ ۱۱۱۳ھ میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ نادر نسخہ کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد کی زینت بنا ہوا ہے۔

آپ کے تبحر علمی و معارف آگاہی کے لیے آپ کے خلیفہ مولانا جان محمد صاحب

دہلوی کا واقعہ شاہدِ عدل ہے۔ کہ مولانا جان محمد صاحب دہلوی جو مغل شاہزادے کے اتالیق بھی رہ چکے تھے، مسئلہ وحدۃ الوجود کی گتھیاں سلجھانے کے لیے سارے ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے کدپہ پہنچتے ہیں، آپ کو ایک سائل کے ذریعہ راجپوتی میں مقیم حضرت سید جمال الدین بخاری کی ذات والا صفات کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، مولانا جان محمد دہلوی نے حضرت شاہ جمال سے اپنے شبہات کے حل کرنے کی درخواست کی تو حضرت نے اپنے بڑے صاحب زادے سید محمد معروف بہ شاہ میر کو حکم فرمایا کہ ان کا تشفی بخش جواب دو۔ حضرت شہمیر مولانا کو اپنے ساتھ لے جا کر ایک ہی گھنٹہ میں اس طرح معارف حقائق کا الفا فرماتے ہیں کہ مولانا اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت شاہ جمال کی خدمت ہی میں اپنی زندگی کے باقی دن کاٹ دیتے ہیں اور آخر کار بیعت و خرقہ خلافت سے سرفراز ہو کر راجپوتی ہی میں واصل بحق ہو جاتے ہیں۔ مولانا جان محمد کا مزار بقول حضرت سید شاہ قادر علی باشاہ شہمیری مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ شہمیریہ، کدپہ اپنے مرشد کی قبر کے پائین موجود ہے۔

بہر حال حضرت شاہ جمال راجپوتی کی شہرت بطور صوفی صافی مسلم ہے مگر کسی تذکرہ نگار نے آپ کو بحیثیت دکنی شاعر متعارف نہیں کرایا ہے۔ البتہ محمد سخاوت مرزا مرحوم نے اپنے مضمون ”سید محمد حسینی الملقب بہ شہمیر راجپوتی“ کے حاشیہ میں حضرت جمال کے دکنی شاعر ہونے کی طرف بلکا سا اشارہ کیا ہے۔
حالاں کہ شاہ جمال ایک باکمال شاعر تھے، آپ کی شاعری گنجینہ معارف کا معدن ہے، آپ نے روایتی طور پر شاعری نہیں کی بلکہ آپ بحرِ مشاہدات کی غواصی کرتے ہوئے جذبات و کیفیات کے گوہر آب دار کو اپنی شاعری کے روپ میں پیش فرمایا ہے۔
چنانچہ آپ کے دوسرے فرزند حضرت سید نور اللہ باشاہ بخاری کدپوی الملقب بہ اسرار اللہ نے اپنی ضخیم بے مثال تصنیف ”تجلی النوار“ میں اپنے والد یعنی شاہ جمال کا درج ذیل شعر بطور دلیل پیش کیا ہے۔
ذاتِ حق ہر صفت کے طور سے
آپ کو کر ظہور اسم ہوا

شاہ جمال کی ایک مناجات سالار جنگ میوزیم لائبریری میں دستیاب ہوئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے :

(502) مناجاتِ جلال نمبر (18) سائز (5x7) صفحہ (4) کُل شعر (17)

مصنف سید جلال الدین - تاریخ تصنیف تقریباً ۱۵۰۰ھ - (فن کلیات و دواوین) مرتب فہرست جناب نصیر الدین ہاشمی کو نام کے سلسلہ میں تسامح ہوا ہے چنانچہ دکنی کے مشہور محقق جناب درویش احمد خان صوفی شہمیری مرحوم نے اپنے پیرومرشد حضرت سید شاہ قادری علی ہاشاہ شہمیری مدظلہ العالی کے نام ایک نجی خط میں مناجات مذکور کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ یہ حضرت شاہ جمال کی نظم ہے نہ کہ شاہ جلال کی۔ خط کا اقتباس ملاحظہ ہو :

”مرتب فہرست کو تسامح ہوا، شاہ کمال الدین کی نسبت سے آپ کے صاحبزادہ و مرید شاہ جلال الدین اکمل سمجھ کر مناجاتِ سید جلال الدین لکھا..... اصل کتاب دیکھنے سے پتہ چلا کہ مناجاتِ سید جمال الدین ہے۔ اب یہ تصفیہ طلب امر ہے کہ یہ سید جلال الدین کون ہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ بزرگ سید جمال الدین بخاری (متوفی ۱۱۶۲ھ مزار راجپوٹی) ہیں، وہ اپنے والد حضرت سید کمال الدین بخاری متوفی تقریباً ۱۰۷۹ھ مزار گرم کندہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ جس کا ذکر آخری شعر میں ہے اور اس آخری شعر کے مصرعے دوم میں ”جمالِ پاک“ لفظ ہے، یہ دو معنی ہے جمال سے تخلص اور پاک جمال کی عطا کا دعا ہے۔“

علاوہ ازیں اس میں پہنچ گنج یعنی ذکرِ حلیٰ، ذکرِ قلبی، ذکرِ روحی، ذکرِ سری، ذکرِ خفی کا ذکر ہے۔ جو اس سلسلہ میں تا حال جاری ہے، نیز اٹھائیس ہرج کا بھی ذکر ہے جو اس سلسلہ میں اٹھائیس ہرج، اٹھائیس حروف، اٹھائیس اسماء اور اس کے مظہرات کی تعلیمات چلی آرہی ہیں۔ چار دروازہ یعنی شریعت، طریقت، حقیقت۔ معرفت۔

اس سلسلہ میں انبیائی سلوک ”عَرَفْتَ رَبِّي؟ بِرَبِّي“ چلا آ رہا ہے ،
جانِ سلوک عرفان ہے جو مطابقت شریعت ہے بقول حضرت سائیک : ع
اس قبیل وقال آمدہ در خاندانِ با

عشق و عرفان جانِ سلوک ہے۔ حضرت سید جمال الدین اپنی مناجات میں فرماتے ہیں :-
سدا تجر عشق کے دریا میں مجھ کو کس شنائتوں کہ جو غواص ہو لیاؤں کھر عرفان یا اللہ
عارف کی سیر و طیر وحدت و واحدیت میں ہوتی ہے، حضرت حسن سنجری، خلیفہ محبوب الہی
فرماتے ہیں : ع حسن در کوچہ و بازار مستیم

کوچہ سے وحدت اور بازار سے واحدیت مراد لی گئی ہے۔ مرتبہ احدیت میں تو احد ہے
اور وحدت میں واحد، اس مضمون کو حضرت سید جمال الدین بخاری فرماتے ہیں :-
مبارک کوٹ ہو زمینوں کہ جس میں ہے محل واحد جو تس میں تجھ وصل کا تحت مجھ دے دان یا اللہ
ایک اور شعر میں اپنے وجود باطل سے رستگاری کی استدعا کی گئی اور جو فانی نہ خود ہوتا ہے وہ
باقی بحق ہوتا ہے اس شعر میں اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔ ع

خفی میں محو کر مجھ کوں جو ”لا یبقی“ اثر مجھ تے مرا جو مرغ ہستی کا توں کہ قربان یا اللہ
مختصر یہ کہ حضرت سید جمال الدین بخاریؒ کی یہ مناجات ہونے میں کوئی
شک و شبہ ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ زبان قدیم، کتابت بطرز قدیم، بلحاظ تعلیمات
مطابقت۔ فقیر کی دانست میں اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کا اور بھی کلام کیا
عجب کہ دیوان بھی ہو گا۔ ع

مناجات کا کامل متن ملاحظہ ہو : ع

رات دلیں مجھ کوں سو تیرا دھیان یا اللہ (۱) کہ تجھ پر ایک تل ناھوی اطمینان یا اللہ
(دن) (مجھ کو) (تیرے بغیر) (مجھ نہ ہوئے)

سدا تجر عشق کی دریا میں مجھ کوں کس شنائتوں (۲) کہ جوں غواص ہو لیاؤں کھر عرفان یا اللہ
(جیسے) (لاؤں) (کھر)

سدا مشغول کر مجھ کوں اپسی مئی محبت سوں (۳) کہ بخود دھورھوں مستان بادل جان یا اللہ
(مجھ) (میں) (بہو دھورھوں)

حزانہ پنج گناں کا جو بھی تجہ ہات لے رہمیر (۴) تصرف کا ترنی محکوں توں دی امکان یا اللہ
 پانچ (گناں گنج کی جمع ہے رتیر ہاتھ) (کارٹے یعنی نکالنے) (نو) (دے) (طاقت)

جلی کا لفظ یوں دی رکی رگ موبو سارا (۵) بدن مہوش ہو کر جیو یا اللہ
 (دے) (رگ رگ) (رکمل) (عبارت کرم خوردہ ہے)

بڑاں قلبی سوں یوں رک مجہ سدا اپنی حضور میں (۶) کمزیری یاد میں کمزیری نہ یک تیل آن یا اللہ
 (بعد از ان یعنی پھر سے) (رکھ) (گزرے) (لحمہ)

ذکر روحی سوں دی محکوں آپنکی دیکھنی کا حط (۷) سری تجہ وصل کی لذت میں جیو قربان یا اللہ
 (سے) (دے) (اپنی) (دیکھنے) (جان)

خفی میں محو کر محکوں جو لایبقی انتر مجہ تی! (۸) مرا جو مرغ ہستی کا تول کر قربان یا اللہ
 (مجہ سے) (تو)

اتھا و لیس بڑج کا قلعہ جو صیں جس چار دروازہ (۹) سوہر یک درقی مجہ آنی توں دی امکان یا اللہ
 (۲۸) (ہیں) (۴) ہر (دروازے) (مجھے آئے) (دے) (سکت)

مبارک کوت ہو رمیوں کہ میں میں ہی محل واحد (۱۰) جو تسمیں تجہ وصل کا تحت مجہ دی دان یا اللہ
 (کوٹ یعنی قلعہ) (ہے) (اس میں) (مجھے دے بخشش)

الہی قادر القدرت توں مالک دوسر اکھی (۱۱) تھیں خالق تھیں رزاق تھیں رحمان یا اللہ
 تو ہے (تو ہی) (تو ہی) (تو ہی)

امور ظاہری باطن جیکہ بھی مدعا جگ کا (۱۲) سکل پر یسا سھارا توں ہی ذو الٰہان یا اللہ
 (جو کچھ ہے) (جگ) (ہمیشہ) (تو ہی)

مرا جو مدعا دل کا اسی تجہ دھر سے روشن (۱۳) تھیں ہی عالم الغیوب ہو دیاں یا اللہ
 (ہے) (جلوہ) (تو ہی ہے) (اور بدل دینے والا)

جیکوئی تجہ گئی مانگیا جیکہ جو پالیا بے شک (۱۴) مبارک تحت فادعوئی کا توں سلطان یا اللہ
 (جو کوئی) (تیرے پاس مانگا جو کچھ)

بحق احمد مرسل محمد مصطفیٰ سرور (۱۵) بحق طاوہا یسین کہ جس ہی شان یا اللہ
 (شوکت ہے)

إله العالمین تری مجال کی برکت سوں (۱۶) حُجّی مَیں جیکہ مَنکیا حُجّی قرآن یا اللہ
(تیرے) (سے) (مجھے دے) (جو کچھ مانگا)

بحق شہ کمال الدین ولیّ مرشدِ کامل (۱۷) جمالِ پاک توں اپنا حُجّی دی دان یا اللہ
(تُو) (مجھے دے)

حضرت مولانا سید شہاب الدین
کڑپوی مذہبِ مہدویہ کے ممتاز

حضرت میاں شہاب کڑپوی

عالم اور مشہور مشائخ تھے، آپ کے والد ماجد کا نام نامی سید منجو اور جدِ امجد کا اسم
گرامی سید عبدالحی تھا، آپ کی ولادت ۱۰۹۶ھ میں ہوئی، آپ علومِ دینیہ
کی فراغت و تکمیل کے بعد کچھ مدت کے لیے بادشاہِ بجاپور کے پاس منصبِ وزارت
پر متمکن رہے۔ چوں کہ مذہبِ مہدویہ میں ہجرت کو فرضِ عین قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ
اس ہجرت کے ذریعہ کارہائے تبلیغِ بحسن و نحو بنی انجام دے جاسکیں، بقولِ سید
نصرتِ ہمدی ید اللہ: ”آپ نے بطریقِ مذہبِ مہدویہ ترکِ دنیا کے لیے کڑپہ
حضرت بندگی میاں سید یعقوب متوکل کی خدمت میں جا کر اس فریضہ کی تکمیل
فرمائی اور پھر وہاں سے سدھوٹ (جو کڑپہ ضلع سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔)
میں دائرہ باندھ کر رہنے لگے اور نوابِ حلیم خان ولدِ نواب عبدالحمید خان کی ایماء
پر اپنے برادرِ زادہ میاں سید عبدالحی اور فرزندِ اکبر سید محمود کے ہمراہ اناٹھی سال
کی عمر میں ۱۵ صفر المظفر ۱۱۸۶ھ کو شہید کئے گئے۔ اسی لیے آپ قومِ مہدویہ
میں ”حضرت سید شہاب الدین شہید سدھوٹ“ کے نام سے مشہور ہیں ۱۱۹ھ
سید نصرتِ ہمدی نے شہادت کی تفصیل سے احتراز کیا ہے۔ البتہ گروہ

ہمدویہ کی مشہور و معروف تاریخ ”خاتمِ سلیمانی“ معروف بہ تاریخِ سلیمانی میں
اس کی تفصیل درج ہے۔ جس کے مطالعہ اور مقامی روایات کو تطبیق دینے سے
یہ متنبہ ہوتا ہے کہ حضرت شہاب جب ہجرت فرما کر بجاپور سے سدھوٹ تشریف
لائے اور وہیں مستقل سکونت آپ نے اختیار کر لی تو آپ خود کو اپنے مذہب کی

تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کر لیا۔ جس کی وجہ سے بہت سارے افراد آپ کے پیروکار بن گئے تھے، انہیں دنوں میں شہر سدھوٹ میں ایک صوفی صافی مجدد بزرگ حضرت بسم اللہ شاہ قادری قیام پذیر تھے۔ آپ پر ہر وقت جذب و عشق اور محویت کا عالم طاری رہتا تھا۔ آپ بسا اوقات عوام و خواص کو فرقہ مہدویہ کے عقائد کے خلاف تنبیہ فرماتے تھے، حضرت قبلہ کے عقیدت مندوں میں نواب سدھوٹ عبد الحلیم خان میانہ ابن نواب عبد الحمید خان شہید (۱۱۳۷ - ۱۱۹۱ھ) بھی شامل تھے۔ (حلیم خان کی ولایت کے بیان میں مؤلف تاریخ سلیمانی اور سید نصرت مہدی دونوں سے نساج ہوا ہے۔ تذکرۃ الابرار والحقام اور لارڈ میکنزی کے رکاڈس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ عبد الحلیم خاں کے والد کا نام عبد الحمید خان شہید تھا نہ کہ عبد الحمید خان۔)

بہر حال ایک مرتبہ حضرت بسم اللہ شاہ قادری حالت جذب میں کچھ ارشاد فرما رہے تھے تو سامعین میں سے خضر خان نامی مہدوی نے آپ کے کسی قول پر متعلق ہو کر آپ پر اچانک حملہ کر دیا جس کی وجہ سے آپ وہیں شہید ہو گئے، قلعہ سدھوٹ میں موجود شاہی مسجد کے روبرو آپ کا عالی شاگنبد آج بھی زیارت گاہِ انام ہے۔ جس کی دہلیز پر حسب ذیل اشعار سالِ رحلت کی گواہی دے رہے ہیں :-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسولُ اللَّهِ

اثبات حق، حق اور ازلفی ماسوا اللہ قطبِ زمان و ماہر از سرری مع اللہ
جشمِ حلیم ظلِّ اعیانِ ثابتہاں تاریخِ گفت او بود ذات اللہ

۱۱ ۸۶

الغرض اس جانکاہ حادثے کی اطلاع نواب عبد الحلیم خان کو ملنے ہی جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جس طرح خضر خان نے میرے مُرشد کو شہید کیا اسی طرح تم بھی اس کے مُرشد سید شہاب الدین کو

شہید کردو، فوراً حکم کی تعمیل ہوئی جس کے نتیجے میں حضرت سید شہاب الدین صاحب اپنے فرزند اکبر اور برادر زادے کے ہمراہ جان بحق ہو گئے۔ مراد خان نورانی نے ”بادشاہ عالم“ برفت“ سے سال رحلت ۱۸۶۷ھ استخراج کیا ہے۔ بعد ازاں ان تمام شہداء کو سدھو سے لا کر کٹرپہ کے چھوٹے حذیرے (قبرستان ہمدویہ) میں جواب کالونی کی مسجد کے احاطے میں آچکا ہے، سپرد خاک کیا گیا۔ آج کسی قبر پر کتبہ نہیں ہے مگر عمر سیدہ حضرات آج بھی ان قبروں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ چنانچہ راقم اپنے دوست عقیل جامہ کے ہمراہ انکی بہر حال حضرت شہاب کی مذہبی حیثیت سے قطع نظر آپ کی شاعرانہ شخصیت کو دیکھا جائے تو آپ یقیناً ایک قادر الکلام قداور شاعر نظر آتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں عالمانہ وقار کے ساتھ شاعرانہ بانگین کا حسین امتزاج قلب و نظر کو مسحور کرتا ہے۔ آپ نے حضرت سید یوسف بن سید یعقوب کی فارسی کتاب ”مطلع الاولاد“ کا منظوم ترجمہ ”فیض عام قدس“ کے نام سے کیا ہے۔ اس مثنوی میں مذہبِ محمدویہ کے امام سید محمد مہدی جو نیوری قدس سرہ کے حالات، خیالات اور واقعات شاعرانہ ہنرمندی کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں۔ ”فیض عام قدس“ کے دو نسخے سالار جنگ میوزیم لاہور میں ہیں۔ ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ایک نسخہ اسٹیٹ آرکائیو حیدرآباد میں اور ایک نسخہ انجمن ترقی اردو، کراچی، پاکستان میں محفوظ ہیں۔

تمام نسخوں کی تفصیل اس طرح ہے :

نسخہ سالار جنگ (پہلا نسخہ) مثنوی ”فیض عام قدس“ حوالہ نمبر (9) سائز (8x12) نمبر (204) سطر (12) تاریخ کتابت 1229ھ تاریخ تصنیف ۱۲۲۹ھ۔ خط تعلیق۔ کاغذ ولایتی۔

دوسرا نسخہ : ”فیض عام قدس“ کتاب نمبر ۱۵، سائز 6x9، سطر ۱۱

خط تعلیق، کاغذ ولایتی۔ سال کتابت 1276ھ

پہلے نسخے کا ترجمہ اس طرح ہے :- نمت پدالمولود المسمیٰ بہ فیض عام قدس

فی وقت الضحیٰ یوم الاربع فی التاريخ السبع من شهر ربیع الآخر سہ ہجۃ النبویۃ
الف وایہ ست و اربع مع هذا تاریخ فی اسم هذا الكتاب أعنی فیض عام قدس أنشدھا
سید شہاب الدین ابن سید منجو ابن حضرت سید عبدالحمی قدس اللہ سرہ
دوسرے نسخے کا ترقیم ان الفاظ میں مرقوم ہے :-

تمت الكتاب بعون الملك الوهاب برأے خواذن شاہ صاحب میاں
فی سبیل اللہ فقیر سید مبارک عرف میاں جی میاں صدقہ خوار بندگی میاں سید عثمان
(رحمۃ) نوشتہ دارد فی التاريخ دوازده ماہ شوال ۱۲۴۶ھ۔

ان دونوں نسخوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ مگر پہلے نسخے کے کاتب سے
کتابت کے اغلاط ستر دہوئے ہیں۔
نسخہ کتب خانہ آصفیہ :-

نمبر سواخ 248، سائز 6x9، صفحہ 291، سطر 12 تا 16، خط نستعلیق
تاریخ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ اس نسخہ میں ترقیم ناقص ہے۔ راقم کی نظر سے مندرجہ بالا
تینوں نسخے گزر چکے ہیں۔

نسخہ اسپٹ آرکیوز :-

مخطوطہ نمبر 248۔ کتابت ۱۲۹۹ھ، صفحات 291۔ ۲۲۷

نسخہ انجمن ترقی اردو، کراچی :-

مخطوطہ ناقص الاول، کتابت ۱۲۱۳ھ، صفحات 308۔ ۲۳۷

مثنوی کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے :-

ادسی کو حمد ہے سالم سزاوار	دہریں گل حمد کے گل جس کا گلزار
(اسی)	(دکھ)
(کامل)	(دکھ)
ہیں جس کے حمد میں محمود حامد	دیکھا دیں اپنے تئیں (۹) کر کو جامد
جہاں لگ انبیاء ہو راولیا ہیں !	ٹا کے تس گلستاں کے گلاں ہیں
(تک)	(اُس)
(اور)	

جب اس جا باعثِ ایجاد آدم ہیں لا اخصی ثنا کا مارتے دم
(جگہ) (سبب)

اختصاصی اشعار اس طرح درج ہیں :

توقع محکو ہے جانِ آفریں سوں نہ ہوں محتاج کس کی آفریں سوں
(مجھ کو) (سے) (نہ ہوں) (کسی کا) (زندگی سے) (میں)

میں تاریخ کا کرجام قدس اس رکھیاں ہوں نام ”فیض عام قدس“ اس
(رنا کو) (اس کو) (رکھا) (اس کا)

نہو میں کیوں فیض عام قدس یونظم ہے خیر الناس کے تاریخ کا بزم
(نہ ہو) (یہ) (کی)

جو کوئی بھر خدا اس کو سُنیکا ولایت کے چمن کے گل چنیگا !
(بہرِ خدا) (اُس کو) (سُنے گا) (گل) (چنے گا)

شہے یعقوب کے صدقہ سوں اب میں یو فیض عام کوں کیتا مرتب
(سے) (دیں) (کو) (کیا ہوں)

مرا آخر طفیل نیک مرداں ! الہی عاقبت محمود گرداں
آخرش نیک لوگوں کے صفے میں اے میرے پروردگار میرا انجام قابلِ تعریف کئے

اس مثنوی کا تاریخی نام ”فیض عام قدس“ ہے جس سے ۱۱۶۲ھ کے اعداد

نکلتے ہیں، مذکورہ بالا تمام نسخوں میں کہیں بھی اس بات کی واضح شہادت موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ مثنوی کہاں معرض وجود میں آئی ! تصیر الدین ہاشمی نے آپ کو میسور کا باشندہ قرار دیا ہے۔ مگر انہوں نے اس کی تفصیل سے گریز کیا ہے۔ بہر حال اس عقد کو حل کرنے کے لیے کہ یہ مثنوی کہاں لکھی گئی ہے، ہم اس کی داخلی شہادت سے بحث کرنا مناسب سمجھتے ہیں، حضرت شہاب نے اپنی مثنوی کے اختتام پر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ حضرت شاہ یعقوب کے طفیل سے اپنی اس مثنوی کو مرتب کئے ہیں۔ چنانچہ آپ

کا شعر ہے :

شہیں یعقوب کی صدقے سوں اب یو فیض عام کوں کیتا مرتب
(شاہ) (رکے) (رے) (یہ) (کو) (کیا)

اس سے قبل بتایا گیا ہے کہ آپ نے بطریق مذہب عہدِ دیہ ہجرت کرنے کے لیے کڈیہ کو پسند کر لیا تھا، جہاں حضرت بندگی میاں سید یعقوب منو کلی فروکش تھے۔ حضرت شہاب نے انہیں حضرت یعقوب کا ذکر مذکورہ شعر میں کیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے یہ مثنوی کڈیہ پہنچنے کے بعد ہی کہی تھی ورنہ شاہ یعقوب کا حوالہ اس شعر میں نہ ہوتا۔ بہر حال آپ نے مثنوی ”فیض عام قدس“ ستر سٹھ سال کی عمر میں اپنے انتقال سے بائیس سال پیشتر کہی تھی۔ گویا آپ نے شاعرانہ طویل تجربہ اور فنی مشاقی کو بہتر طور پر استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے آپ کی زبان منجھی ہوئی اور شستہ معلوم ہوتی ہے۔ نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں :

تیری قدرت سدا تجکوں سزاوار کیا یک کُن سے دو عالم کا بتا رہ
(تجھ کو) (پھیلاؤ)

زمین و آسماں کوں کر کو پُر نور اسی کے نور سوں کیتا ہے معمور
(کو) (کر کے) (رے) (کیا ہے)

مجھے یک دن کیا یوں ہاتف آواز کہ اے شاہ سخنداں و سخن ساز
زباں چھل نیر سوں دھو کر ادھر کھول محمد مصطفیٰؐ کی نعت کوں بول
(آب گل سے)

محمدؐ او کہ جس کی لغت میں پاک حدیثِ قدس میں وار د ہے لولاک
جو کچھ تھا احديث میں خفیہ اسرار ہوا تیر بچہ سوں وحدت میں اظہار
(بجھی سے)

ترا ہی نور سب ہستی پو دائر جو تیرا اسم ہستی کا علم ہے
ہے کل اسمائے حق کا تو مظاہر کہ شاہد اُس اُپر لوح و قلم ہے
چھبائی دست تیرا اگر قلم کوں دو عالم کا لکھی خط میں یک قلم سوں
(اچھو یا نہیں)

دو عالم تجھ کہیں محبوبِ کونین! مقام آذنیٰ ترا ہے قاب و قوسین
(تجھے)

ظہور و بطن کا رابطہ ہے تجھ ذات یقین اول ہے تیرے سوں عبادات
(تیری)

شاعر کو اپنی مثنوی پر سچا طور پر ناز ہے، انھوں نے تشبیہات و استعارات کو بحسن و خوبی استعمال کیا ہے۔ مثال کے لیے درج ذیل اشعار پیش کئے جا رہے ہیں۔ یہ نہ سمجھو نظم یو نظم دکن ہے ولایت کے گلستاں کا چمن ہے
ہے اہل اللہ کا یوروشن گلستاں حقائق کے چمن کا سنبلستاں
حکایت کے ہیں اس میں سروِ عالی صنوبر داستان کے خوش معالیٰ
کھلے ہیں اس میں سُرخ کی انار ل منور بیت کے روشن چناراں
انجیر ہر مصرعہ رنگیں، موزوں تلفظ کے ہیں انگوراں ہمایوں
کہ ہر اک نقل خرے کا شجر ہے ہنر شیریں ہو جس میں تر بتر ہے
مطالب کے کھلے ہر جا سمن ہیں مثالاں کہ منور یا سمن ہیں
فصاحت اور بلاغت کے ترنجاں حیرامت کا لگیسا ہے تازہ ایماں
بہر حال حضرت شہاب کڈپوی کی مثنوی ”فیض عام قدس“ اپنی زبان اور بیان کے اعتبار سے خصوصی تفصیلی مطالعہ کی مستحق ہے۔

شہر کڈپہ سے شمال میں تقریباً ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر واقع تاریخی شہر ویلور

ولی ویلوری

دارالسرور میر ولی فیاض معروف بہ ولی ویلوری کا وطن تھا۔ آپ ابتدا میں نواب سات گڈھ حراست خان (مدفن ناجپورہ، آرکاٹ) مرید شاہ زین الدین صاحب بیجاپوری صبیغۃ اللہی مثنوی ۱۲۹ھ کے دربار سے وابستہ تھے۔ سپاہ پیشہ ہونے کے باوجود شعر و شاعری سے فطری ذوق نے ولی ویلوری کو نواب حراست خان کے حصہ میں امتیازی مقام عطا کر دیا تھا۔ سوئے اتفاق سات گڈھ (علاقہ شمالی آرکاٹ) کے

حالات آپ کے لیے سازگار نہیں رہے تو نواب صاحب نے بذات خود دلچسپی لے کر آپ کو نواب سدھوٹ علاقہ کڈیج عبد الحمید خان میاں ولد عبد الحمید خان میاں کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ ردِ بارِ پیمتا کے کنارے آباد شہر سدھوٹ کی آب و ہوا وادی ویلوری کو اس آگئی۔ لہذا آپ نے یہاں طویل قیام کیا اور ایک ضخیم مثنوی ”رتن پدم“ جو تقریباً چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے تحریر کی۔ مثنوی ”رتن پدم“ دراصل عہدِ شیر شاہ سوری کے مشہور صوفی شاعر ملک محمد جالسی (متوفی ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء) کی منظوم کہانی ”پداوت“ کا کہ جس میں راجہ جتوڑ رتن سین اور شہزادی لنکا پدم کے عشق کی داستان درج ہے۔

دکنی ترجمہ ہے۔ ”پداوت“ کا سب سے پہلا دکنی ترجمہ عہدِ ابوالحسن تانا شاہ (۱۶۷۳ء) کے شاعر غلام علی نے ۱۰۹۱ھ میں کیا تھا۔ غلام علی کے تقریباً بیس سال بعد وادی ویلوری نے ”پداوت“ کا ترجمہ ”رتن پدم“ کے نام سے کیا۔ یہ عین ممکن ہے کہ یہ مثنوی بھی نوایانِ سدھوٹ کی ایما پر لکھی گئی ہو، جیسا کہ محمد ابن رضا کا ترجمہ قصیدہ بُردہ، جید ابن جعفر کی مثنوی ”اضافہ پھول بن“ اور قدر عالم کی مثنوی ”فقہ محفوظ خانی“ وغیرہ سدھوٹ کے نوابوں کی خواہش و فرمائش پر رقم کی گئی تھیں۔

وادی ویلوری کی رتن پدم، کا واحد نسخہ بقول اسپرنگر (مرتب کیٹلاگ) کتب خانہ توپ خانہ، آودھ (دکھن) میں تھا۔ اس نسخہ کے چار سو صفحات تھے، جس میں کم و بیش (4,000) چار ہزار اشعار تھے، اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

خدا یا تو ہے پاک پروردگار
نرنگاری و آناہ واجھی اپار

رے شکل (ہے) پے پناہ

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے۔ منجملہ ان کے دو مقامات یہ ہیں:

وادی تیرے کرم کی ہے مجھے آس
نہ کر اس آس کوں ہرگز تویر اس

(امید)
(کو) (نا امید)

وادی ہے یو سبب خالی بہانہ
اسی کا کام ہے دینا دلانا! ع

اس مثنوی کی تاریخ تصنیف اس کی داخلی شہادتوں کی بنا پر بائیں ۱۱۶۷ھ تا ۱۱۶۹ھ قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ اس لیے کہ دلی ویلوری نواب عبد المجید خان میانہ کے دورِ اقتدار میں سات گڑھ سے سدھوٹ حاضر ہوئے تھے جس کا ثبوت مثنوی کے دیباچہ میں رقم شدہ درج ذیل اشعار سے ملتا ہے۔ چناں چہ ولی نے کہا تھا: ۷

حراست خان امیر اک نامور تھا سکونت گاہ اس کوں سات گڑھ تھا

(اس کی)

اُٹھا او اہل درد و نیک اعمال رفاقت میں اُٹھا میں اس کے خوشحال

(تھا) (وہ) (تھا) (اس کی)

قضارا واں سوں ہو قحمت بخواست سوا آیا میں طرف کڈیہ کے دھر خواست

(قضا کے سبب وہاں سے) (لیس) (پاس)

نواب عبد المجید ابن الحمید ایک اُٹھا واں نامور صوبہ سعید ایک

(تھا) (وہاں)

سواو بہر شجاء پروانہ لکھ کرہ بسلیک نوکراں میں مُنسلک کرہ

(لیس وہ) (اس بہادر کے لیے) (کر کے)

تَعین کر ٹکھو سدھوٹ کو روانہ کیا وہ صاحبِ شیریں زمانہ

(مقرر) (مجھ کو)

سوحب الحکم میں سدھوٹ کو آیا رنگارنگ واں تماشے میں نے پایا

(لیس حکم کے مطابق)

عبد المجید خان میانہ نے اپنے چچا نواب عبد المحسن خان میانہ ولد نواب عبد النبی خاں کے معزولی کے بعد ۱۱۶۷ھ میں زمام حکومت سنبھالی تھی اور پورے پانچ برس بڑے ہی رعب داب اور طمطراق کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد ۱۱۶۹ھ میں حاکم سرا بلونت راؤ مراٹھا اور قلعدار گئی مراری راؤ کی مشترکہ فوج کے مقابلے میں وادِ شجاعت دینا ہوا جام شہادت نوش کیا تھا۔ اس تاریخی واقعہ سے

سے اس بات کا پتہ لگانا سہل ہے کہ یہ مثنوی ۱۱۶۲ھ کے بعد ۱۱۶۹ھ کے قبل کہی گئی تھی اور اس سے اس امر کا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ولی ویلوری کے آخری دور کی مثنوی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اپنی پہلی مثنوی ”روضۃ الشهداء“ ۱۱۶۱ھ میں کہی تھی۔ اگر اس وقت آپ کی عمر تینس یا پینتیس سال بھی رہی ہوگی تو رتن بدیم کے وقت آپ ساٹھ یا پینسٹھ کے بیچے میں ہوں گے۔ بہر حال یہ مثنوی آپ کی شاہکار مثنوی ہے۔ جس میں مشاقی اور کمال فن کا بھرپور استعمال ہوا ہے۔ بالخصوص زبان و بیان کے اعتبار سے ولی دکنی (مثنوی ۱۱۵۵ھ) جیسی کیفیت اس مثنوی میں نمایاں ہے۔ اسی لیے بعض تذکرہ نگاروں (مؤلف ”تذکرہ شعرائے دکن“ اور مرتبہ ”نکلی رعنا“ وغیرہ) کو ولی ویلوری کے کلام پر ولی دکنی کا مغالطہ ہوا تھا مثال کے لیے ولی ویلوری کی مناجات کا ایک بند ملاحظہ ہو: ۵

یا الہی از طفیل انبیا ہور اولیاؑ غوثہ ہور اقطاب میں جتنے جہاں کے اصفیاؑ
اکبر و رکھ دو جہاں میں ہے ولی کی التجاؑ ہے وہ بندہ کمتر میں مجہ حال پر احسان کرد
ولی ویلوری کی دیگر تصانیف میں ”روضۃ الانوار“ (۱۱۵۹ھ) ”روضۃ العقبی“ (۱۱۶۲ھ) ”دعائے فاطمہ“، ”مناجات ولی“، ”تفسیہ نامہ“ اور ”الگرد ملائیکہ“ کا پتہ چلتا ہے۔ ولی کی طرف منسوب ایک اور مثنوی ”وفات نامہ نبی“ کتب خانہ سالار جنگ کی زینت ہے، چون کہ یہ ناقص الاخر ہے، اس لیے قطعیت سے کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ معروف محقق ڈاکٹر محمد علی اشر کی رائے میں مرتبہ ہرست نصیر الدین ہاشمی نے لفظ وائے کو ولی (تخلص) پڑھ لیا ہے، مگر راقم الحروف اس سے متفق نہیں ہو سکا ہے۔ بہر حال مثنوی ”وفات نامہ نبی“ کی تفصیل اس طرح ہے:-
نمبر کتاب (43) سائر (4x6) صفحہ (216) سطر (7) خط نستعلیق
کاغذ دیسی، مصنف ولی ویلوری، تاریخ تصنیف مابعد ۱۱۵۵ھ، ناقص الاخر۔
مثنوی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم
عشق کے فرمان کا طغراقدیم

نقطہٴ با، مرکزِ اسرار ہے عشق (کا) بھی حرف دیکھو یا رہے
اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے:-

ہم کو چلیا چھوڑ توں وا احمد اہ سارے کمر توڑ توں وا احمد اہ
ختمِ نبوت کیا وا احمد اہ سب پہ بڑا غم دیا وا احمد اہ

بہر حال وئی ویلوری کا ذکر کڈیہ کی ادبی تاریخ میں اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ کی وابستگی زمانہٴ دراز تک سدھوٹ کے دربار سے رہی، علاوہ ازیں شتوی رتن پدم سدھوٹ ہی میں معرض وجود میں آئی۔ اس طرح وئی ویلوری کو شعرائے کڈیہ میں ایک امتیازی شان حاصل ہے۔

حضرت سید شاہ محمد حسینی
لقب بہ شاہ میر، حضرت

سید شاہ جمال الدین بخاری جمال راجپوٹی (متوفی ۱۱۶۲ھ) کے فرزند کلاں اور حضرت محمدوم جہانیاں جہان گشت بخاری (متوفی ۸۵۷ھ) کی اولاد سے تھے۔ حضرت شاہ میر اپنے والد ماجد شاہ جمال اور اپنے جدِ امجد شاہ کمال بخاری کے ہمراہ نواب شاہ نور (بلگاؤ) عبدالرؤف خان میانہ عرف دلیر جنگ کے عہد (۱۱۱۰ھ - ۱۱۳۲ھ) میں بیجا پور سے شاہنورد منتقل ہوئے۔ شاہنور میں ایک مدت قیام پذیر ہونے کے بعد اہل اللہ کا یہ قافلہ گم کہنہ (نزد مدینہ منورہ) میں فروکش ہوا اور یہیں آپ کے جدِ اعلیٰ و سالار قافلہ حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری (اول) کا وصال ہوا۔ ایک عرصہ اس علاقہ کو اپنے انوارِ ہدایت سے منور کرنے کے بعد یہ مختصر قافلہ اہل دل بدویل (ضلع کڈیہ) کی طرف چل پڑا، حضرت شہ میر نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ۱۱۳۱ھ و ۱۱۳۲ھ کے دوران بدویل میں قیام فرمایا تھا۔ جس کا ثبوت کتب خانہٴ سعیدیہ، حیدرآباد - غزوہٴ نسخہٴ الملل والنحل مصنف علامہ شہرستانی کے ترقیم سے ملتا ہے۔ یہ کتاب حضرت شاہ جمال نے اپنے دست مبارک سے قیام بدویل کے زمانے میں ۱۱۳۱ھ میں تحریر کی تھی۔ بدویل میں مختصر قیام کے بعد آپ مع والد قبلہ راجپوٹی (ضلع کڈیہ) تشریف لائے اور والد کی وفات

۱۵۰۰ تک یہیں مستقل سکونت پذیر رہے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دونوں چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ نور اللہ قادری نور اور حضرت سید شاہ کمال اللہ قادری کمال بھی راجپوٹی میں مقیم رہے۔

راجپوٹی اس زمانہ میں عبدالحسین خان میانہ ابن نواب عبد النبی خان میانہ عرف حسین، میاں کی جاگیر تھی۔ یہ پورا علاقہ سرکار سدھوٹ کے ماتحت تھا۔ اور سدھوٹ حسین میاں کے برادرِ خمد نواب عبد المحسن خان عرف موحیا میاں کہ جن کے نام سے کڈہ یہیں موحچم پیٹ لگی آج بھی آباد ہے، کی حکمرانی تھی۔ مگر موحیا میاں کی ناعاقبت اندیشی، عیش پسندی اور نااہلی کے سبب سارا علاقہ بد امنی کا شکار تھا۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت شاہ میر اپنے والدِ بزرگوار کے دصال کے بعد آپ کے عقیدت مند نواب تلیوٹل (علاقہ کدڑی، ضلع اشنت پور آندھرا) عبد القدوس خان میانہ کے شدید اصرار پر تلیوٹل تشریف لے گئے اور وہیں پہرے ایک سو پانچ سال کی عمر میں ۱۳ جمادی الاول ۱۱۸۶ھ کو آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کا مزار شریف آج بھی زائرین کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ آپ کی ظاہری تعلیم و باطنی تربیت اپنے جدِ امجد اور والدِ ماجد کے زیرِ ظلِ عافیت ہوئی۔ آپ عالم باللہ اور واصل مع اللہ شخص تھے، آپ نے جاہلیت کی ظلمتوں میں عرفان و آگہی کی شمعیں جلانے کے لیے اپنی عمر عزیز صرف کر دی، آپ کا مشہور قول ہے کہ ”جذبِ ناقص وہ ہے جس میں سلوک نہ ہو اور سلوکِ ناقص وہ ہے جس میں جذب نہ ہو“ اس قول کی روشنی میں آپ ایک مجذوب سالک تھے۔ آپ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ ”آج کل کے قوائے جہانی سخت ریا تے متحمل نہیں اس لیے علم الیقین و عین الیقین سب سے مقدم ہے۔“ آپ نے اپنی تعلیمات کو نظم و نشر کے سلجھے ہوئے پیرائے میں پیش فرمایا تھا۔ آپ شاعر بھی تھے اور شکر نگار بھی، آپ کی شاعری ایک طرف اسرار و رموز کا خزینہ ہے تو دوسری طرف کمال فن اور مشاقی کا بہترین نمونہ، آپ کی نثر طرزِ قدیم پر ہونے کے باوجود تصوف و فلسفہ اور

علم کلام و علم وجدان کی متحمل ہی نہیں بلکہ شگفتگی و سنجیدگی کی بھی آئینہ دار ہے۔ شاید اسی خوبی کی طرف آپ نے اپنے شعر میں ارشاد فرمایا ہے۔ ۵

میر تو میر محض ہے نہ فقیر ناظم محض ہے نہ ناتر محض

مشہور مصنف و محقق محمد سخاوت مرزا مرحوم نے اپنے طویل معرکہ آرا مضمون ”سید محمد حسینی الملقب بہ شاہ میر را کچھ ٹی“ میں آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں کا نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ ان کا جامع تعارف و تبصرہ بھی پیش کیا ہے۔ کتابوں کے نام اس طرح ہیں :- ۱۔ اسرار التوحید ۲۔ رسالہ عنایت و غیریت

۳۔ رسالہ قادریہ ۴۔ عقائد صوفیہ ۵۔ انتباہ الطالبین

۶۔ دیوان شاہ میر ۷۔ ضیاء العیون ۸۔ رسالہ لوزیہ

۹۔ نہ لبطون چشتیہ ————— آپ کے ایک تذکرہ نگار حضرت حکیم سید محمود بخاری صاحب نے بھی مذکورہ کتابوں اور رسالوں کا ذکر فرمایا ہے مگر ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کے کتب خانہ میں ایک منظوم رسالہ ”مدح میراں“ کے نام سے موجود ہے جس کو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم نے آپ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس رسالہ کی تفصیل اس طرح ہے :

(۱۱۵) ”مدح میراں“ (۶۵۸) اوراق (۳) سطور (۱۶) فی صفحہ تقطیع

(۷½ x ۴) خط ثلث معمولی، مصنف شہ میر، زمانہ تصنیف قبل سالۃ

آغاز :-

سرستے بہ معبود کا یا قادری میراں مدد محبوب ہے موجود کا، یا قادری میراں مدد
تو قطبے بانی صبحی، محبوب بجمانی صبحی یعنی ابوالقاسم صبحی، یا قادری میراں مدد

اختتام :-

محی الدین ولی ہے پیار کا، معشوق ہے گنہگار کا عاشق ہے حق دیدار کا، یا قادری میراں مدد
تقویٰ منجے ہوئے دھیر کا، تہلح کوں میں پیر کا سچ پیر توں شہ میر کا، یا قادری میراں مدد
حضرت شہ میر اول میر تخلص فرماتے تھے مگر مذکورہ بند میں حضرت کا لقب

شاہ میر بطورِ تخلص استعمال ہوا ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور شاعر میر ہو گئے لیکن راقم کی رائے میں یہ حضرت شہ میر کے ابتدائی دور کا کلام ہونا ممکن ہے، کیوں کہ نظم کے لب و لہجہ سے وہ نچنگی نمایاں نہیں ہے جو آپ کے اشعار کا خاصہ ہے۔ الغرض آپ کی شاعری اصطلاحاتِ صوفیہ، تشبیہات و کنایات اور نوع بہ نوع عمدہ الفاظ سے مملو ہے۔ آپ کا رنگ تغزل عشق حقیقی اور جذبِ مستی سے آراستہ دیرِ پیرا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہو:۔

سب ذوات اوس کی ذات کے پرتو	سب صفات اوس صفات کے پرتو
سب علوم اوس کے علم کے اطلا	سب حیات اوس حیات کے پرتو
قدت ناں ہو رادتاں سب کے	اوس تو انست و خواست کے پرتو

جانِ جاں لا الہ الاھو	سب جہاں لا الہ الاھو
بہر تحصیل رویت مطلق	نردباں لا الہ الاھو
صفحہ دل پوش کر و تحریر	مومنوں لا الہ الاھو

خدا پاک ہو رحمت پاک، میں پاک	گماں، نقصاں ہو راکماں سے بیباک
عاجز صرف ہوں نہ قادرِ محض	مومن صرف ہوں نہ کافرِ محض
واجبِ محض ہوں نہ ممکن صرف	باطن صرف ہوں نہ ظاہرِ محض

ایس کوں پاک کہ شرک خفی سے	کہے پردہ میں ہیں طیفور انا الحق
حقیقت میں کہیں ہر دم ہمہ چیز	نبات و وحش و مرغ و مور انا الحق
انا الحق باھو الحق جمع کر میر	ہوئے تا تو سراپا نور انا الحق

تیرا خدا ہے جو کہ ترے سے جدا نہیں جو کوئی جدا ہے تجھ سے او تیرا خدا نہیں

سیدل کے ساتھ جو کہ رہے دلریا مام
جیسا کہ اصل چھاؤں سے یکدم نہیں جدا
ناہو اگر وہ ساتھ ترا دل رُبا نہیں
گر نہ جدا تو اصل او اوس چھاؤں کا نہیں

اے دل بچھان تن کو ترا ہے سرا یہی
ما بوج اپنے تن کو ہوئے ہیں بہت خراب
ماویٰ یہی، معاد یہی، ملتجا یہی
غفلت یہی، حجاب یہی ہو رہی یہی
مقصود یہی، مُراد یہی، دعا یہی
ساقی یہی، شراب یہی، دلریا یہی
اللہ یہی، رسول یہی، رہ نما یہی
کہتا ہے میر پیر کے ارشاد سون آپ
گر آرزوئے ذوقِ خرابات ہے تجھے

حضرت شہ میر کی شرکا نمونہ ملاحظہ ہو :

”المقصود ابتدا ہمارا اللہ سون ہی یعنی وجودِ حق سون، کیا واسطیکہ

(سے) (ہے) (سے) (لے کہ)

حقیقت ہماری نیست ہی بی شک و شبہ اول ہمیں تھے نہیں، آخر ہمیں رہ سکی نہیں

(نہیں ہے بے شک) (تھے نہیں) (رہیں گے نہیں)

پس جو چیز کہ اول میں ہو رہی آخر میں سو درمیانی کہاں سون ہو رہی اگر ہی ہڑا کہے تو

(نہیں) (سے) (ہے) (ہوا ہے)

قلبِ حقیقت لازم آتا ہی غرض ہی ہی سو ہمیشہ ہی ہی ہو رہی ہی سو ہمیشہ نہیں ہی

(ہے) (ہے) (ہے) (اور) (نہیں ہے) (نہیں ہے)

پس ثابت ہوا جو ہمیں آئی سون نیست ہیں ہو رہی وجودِ حق سون ہست ہو ہی ہیں

(سے) (نہیں ہیں) (اور) (سے) (موجود)

یعنی نیست ہست نما ہی - پس حقِ تعالیٰ ہست نیست نما ہی

و معدوم ہیں مگر موجود جیسے ہیں (اللہ تعالیٰ موجود ہے مگر معدوم جیسا ہے۔)

ایطالِب خدا کی ذات وجود ہی ہو رہی اوس وجود کی کمالا نکو صفات کہتے

(لے طالب) (ہے) (اور) کے (کمالا نکو)

ہیں، اول کمال وجود کا یوھے کہ وجود کو نیست ہونا نہیں ہو رہا ہمیشہ ہست رہنا ہے

اس کمال کو حیات کہتے ہیں۔ ۵

بہر حال حضرت شاہ میر کی نظم و نثر کے نمونوں سے آپ کی علمی و ادبی شخصیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

حضرت سید شاہ قدر عالم قادری

شاہ قدر عالم

بارہویں صدی کے نصف آخر کے شعراء

میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ سادات سدھوٹ سے تعلق رکھتے تھے آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی حضرت سید شاہ بدر عالم قادری تھا۔ شاہ بدر عالم آپ کے نہ صرف شفیق باپ تھے بلکہ کرم فرما استاد اور مرشد مرئی بھی تھے۔ جیسا کہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود آپ کی مثنوی ”فقہ محفوظ خانی“ کی فصل ہفتم کے عنوان اور اشعار سے پتہ چلتا ہے۔ ۵

”فصل سالتواں بیچ توصیف مرشدی و والدی شاہ بدر عالم“

کہوں میں پیر کا اپنے بیاں اب وہی ہے قبلہ گاہ میرے مشرب
(میر مشرب)

متور نام شاہ بدر عالم ! سچے بدر الزماں، بدر المقدم
(سچے ہے)

دیا جن کو فضیلت فضل کر رب اچھیں تحصیل جن کو علم سب جب
(ہوئیں)

نہی کوئی علم باقی اُستی دور آئے سب علم میں اوسینہ معمور
(کوئی) (اُن سے)

آئے وہ شارح شرع ترفیت آہے وہ سالک سلک طریقت
(ہے)

محقق ہیں حقیقت میں مکمل معرّف معرفت ربّیتی مشکل

(سے)

وہ مرشدِ ہادی شاہِ ید اللہ جو تھا معراج کارِ ایزد اللہ
وہی رکھ سرِ اویہ تو بات یا پیر جو ہوئے اس علم کا منج پہل تدبیر
(سر پر) (ہاتھ) (ہو جائے) (کی) (منجھے)

شاہِ قدرِ عالمِ عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ہی شیخِ طریقت اور صوفی بھی
تھے۔ آپ کے قادری، المشرب ہونے کا ثبوت حضرت غوثِ اعظم کی منقبت کے آخری
شعر سے ملتا ہے۔

خلیفہ جس کے شاہِ بدرِ عالم مَنور دل، منور اسمِ عاظم (اعظم)
آپ بہت ہی منکسر المزاج اور متوکل الی اللہ بزرگ تھے۔ ”در بیان عجز و انکسارِ حق“
خود و مددِ توفیق از حق تعالیٰ کے تحت ارشاد فرماتے ہیں :
الہی توں سچا دانا و بیبا یو عاجزِ قدرِ عالم ہے کینا
(تو) (صحیح) (یہ)

ذکورہ فصل کا آخری شعر جس میں مثنوی کا نام بھی آگیا ہے، اس طرح ہے :
”فقہ محفوظ خانی“ نام اسکا دُعا دیوے پڑ گیا پاسنیکا
(پڑھنے لگا)

شاہِ قدرِ عالم ثواب زادوں کے آتالیق تھے، ثواب عبد الکریم خان ولد عبد الحمید خان میلہ
کہ جن کی خواہش پر ابنِ جعفر نے مثنوی ”پچھوں بن“ میں اضافہ کیا تھا، انھیں ثواب صاحب
کے فرزند محفوظ خان تھے، جنھیں آپ کے شاگرد رشید ہونے کا شرف حاصل تھا
محفوظ خان کی تعلیم و تربیت کی خاطر ہی شاہِ بدرِ عالم نے یہ ضخیم مثنوی جو فوقہ و عقائد پر
مشتمل ہے تحریر کی تھی اور انھیں کے نام سے مثنوی منسوب بھی کی تھی۔ چنانچہ
”در بیان سببِ تالیف“ ”فقہ محفوظ خانی“ گوید کے تحت فرماتے ہیں :-

اچھے محفوظ خان نام جو انجست جواں عمر و جواں طالع و دولت
(ہتے یا ہو)

اچھے ابن الکرم خان قوم افغان (ہے)
 تیریں ہے قوم میں حروف افغان (انسان)
 (معروف ترین ہے)

الہی دے ہدایت خانِ مذکور
 اسے کر دین کی نعمت سے معمور
 توں دے توفیق عبادت کی اسے جم
 رہے وہ سرنگوں ہندگی منے خم
 (تو) ہر وقت (میں)

دکھا دیدار تو روز قیامت
 محمد مصطفیٰ کا دے شفاعت
 (کا)

الہی قدر عالم کی دعا کوں
 تو کر مقبول دعا کے دعا کوں
 (کو) (کو)

حضرت قدر عالم کا دور عبوری تھا، سدھوٹ سرکار میں افرانفری
 جی ہوئی تھی۔ نواب حیدر علی خان نے ۱۹۱۱ء میں قلعہ سدھوٹ فتح کر لیا تھا اور
 آپ کی طرف سے میر رضا علی خان قلعہ سدھوٹ مقرر ہوئے تھے۔ میانہ خاندان
 کے آخری نواب عبدالحمید خان میانہ (۱۲۳۰ھ - ۱۲۹۱ھ) قلعہ سدھوٹ سے شہر
 شری رنگ پٹن منتقل کر دئے گئے تھے، بعد کو وہیں ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ نواب عبدالحمید
 خان کے داماد سید محمد نے پھلی پٹن میں متعین انگریزی فوج کی مدد سے سدھوٹ کو
 واپس لینے کی بے وقت جدوجہد بھی کی تھی جو ظاہر ہے رائیگاں گئی۔ انھیں میر قمر الدین خان
 ابن میر رضا علی خاں کے ہاتھوں شکست فاش اٹھانی پڑی اور بعد ازاں وہ حیدر آباد
 چلے گئے ۳۸ء

ہر حال اسی عبوری دور میں آپ نے قلم اٹھایا، سیاسی ابتری اور حالات
 کی کشمکش سے بلند و بالا ہو کر تعلیم و تربیت، اصلاح معاشرہ اور تزکیہ نفس کا کام جاری
 رکھا۔ چنانچہ ”فصل سیوم کار“ کے شرک بر فرزندوں کے تحت ارشاد فرماتے
 ہیں :-

نہ رکھ بانٹ کے چوٹیاں سر کے اوپر
 کفرِ بدعت کے کاماں میں یہ اکثر

گرمات سوں چھیدیں ناک اور کان
یہ سب بدعت ہے متکرائے مسلمان!
(منت و نذر سے) (نہ کر)

آپ نے اپنی معرکہ الآراء یادگار مثنوی ”فقہ محفوظ خانی“ کو قلم بند کرنے کو
ابتداء ۱۰ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ سے کی اور تقریباً دو ماہ کی قلیل مدت میں اس کو مکمل
کرتے ہوئے ۱۵ شعبان بروز شب برات ۱۱۹۹ھ اس کا حسن اختتام فرمایا، چنانچہ
آپ کا ارشاد ہے :-

ہوا آغاز نامہ ہجیر احمد جو نو اوپر نو دگیا را اٹھے صد
۱۱۹۰ھ (تھے)

اچھے دسویں جمادی الثانی آغاز او پندرہ باب، ایک سو دو فصل سار
(۱۵) (۱۵۲)

مرتب شب برات ماہ شعبان اگیارہ سو نو د ہو ر تو تھے برساں
(مرتب ہوئی) (۱۱۹۹) اور

جو ہجرت سوں نبی خیر الوری کے (جو ہے) تاریخ محمد مصطفیٰ کے
(سے) (کی)

بحق مصطفیٰ کے ختم مرسل ہوا یو فقہ نامہ شرف اکمل
(یہ)

اس کی تاریخ تصنیف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عہد طیبو سلطان (۱۱۹۶ھ -
۱۲۱۳ھ) میں تحریر کردہ مثنوی ہے۔ جب کہ سدھوٹ قلمروئے طیبو سلطان میں شامل
تھا۔ انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ اس مثنوی کو عہد سلطانی کی امت از مثنویوں میں شمار
کیا جاتا مگر تا حال کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ چون کہ اس مثنوی کا تعلق کسی کسی
حیثیت سے نوابان سدھوٹ سے رہا ہے اس لیے اس مثنوی کو کبھی انہیں نوابوں کی
خدمات کا تسلسل قرار دیتے ہوئے مایہ ناز محقق، محسن اردو، نصیر الدین ہاشمی مؤلف
”یورپ میں دکنی مخطوطات“ کا اعترافی بیان پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ادب

اردو میں سدھوٹ کا مقام نمایاں ہو سکے۔

”اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ ان قلعہ داروں (نوابانِ سدھوٹ) کی پوری مدت جدال و قتال میں بسر ہوئی۔ شروع سے آخر تک میدانِ جنگ سے فرصت نہیں ملی۔ ان کو اتنا موقع نہیں ملا کہ اطمینان اور دلچسپی سے کسی علمی کام میں مصروف ہوتے اور علم و ہنر کی ترویج کی جانب متوجہ ہوتے۔ باوجود ان تمام امور کے جب ہم اردو ادبیات میں ان کے کارہائے نمایاں دیکھتے ہیں تو ہم کو ان کی علمی قدر دانی اور علمی سرپرستی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ باوجود اپنی جنگی مصروفیات کے انہوں نے بہت کچھ کیا۔ اردو کی ترقی میں انھوں نے جو حصہ لیا اس کی پوری تفصیل اس لیے ناممکن ہے کہ زمانے کے دست برد سے تصنیفات معدوم ہو چکے ہیں۔ شعرا اور مصنفین کے نام پوشیدہ ہو چکے ہیں۔ ان کے کارنامے گوشہٴ گمنامی میں بہنما ہیں۔ مگر جو کچھ بھی ہیں اس امر کے لیے کافی ہے کہ ان کے سرپرستوں کے ناموں کو زندہ رکھے اور تاریخِ اردو میں ان کو مناسب جگہ دی جائے“ ۳۹ء

اس مثنوی سے ایک تاریخی مغالطے کے ازالہ کی راہ ہموار ہوتی ہے وہ یہ کہ اکثر جنوبی ہند کی تاریخوں میں مرقوم ہے کہ نواب حیدر علی خان نے سدھوٹ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے نواب عبدالحمید خان میانہ اور ان کے تمام افرادِ خاندان کو سری رنگ پٹن روانہ کر دیا۔ حالانکہ شاہِ قدر عالم کی مثنوی سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۱۹۹ھ میں بھی خاندانِ حلیم خان کے لواحقین و اقربا سدھوٹ ہی میں قیام پذیر تھے اور باعزت زندگی گزار رہے تھے۔

بہر حال مثنوی ”فقہ محفوظ خانی“ کے دریافت شدہ تین نسخوں میں سے دو کتب خانہٴ نواب سالار جنگ میں اور ایک کتب خانہٴ آصفیہ (راوری نیل میانسکرٹ لاہور) حیدر آباد میں محفوظ ہیں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے :-

کتب خانہٴ سالار جنگ کا پہلا نسخہ :-

نام کتاب : فقہ محفوظ خانی ، مصنف : قدر عالم ، تصنیف ۱۱۹۹ھ ،

اوراق: 147، سطور فی صفحہ: 14، سائز: 9x6، خط: نستعلیق، کتابت: ۱۲۷۷ھ
 پہلے صفحہ پر سالار جنگ میر یوسف علی خان ۱۲۱۷ھ کی مہر مستطیل ثبت ہے۔
 ابتداء:

کہوں میں حمد رب العالمین کا کیا گلشن منور اپنے دیں کا
 غنی تھا آپ اپنی ذات میں ہم نہ تھا کوئی ذات بیغہ اس کی محرم

درد

(کوئی) (سے)

نہ عالم تھا نہ آدم کا نشان تھا نہ کوئی ذات صفات و ناگماں تھا
 ایس میں آپ کا طالب تھا مجھ بغیر از اصل کیتا سب کو موجود

(کیا)

حقیقی سب کا آپی اصل ہو کر کیا سب شئی کو اپنا پاک منظر
 (آپ ہی)

کیا یک مشتت حل کا نام انسان دیا ہے جان و ایمان عقل و عرفان
 (مٹھی بھر مٹی)

اختتام: (از مصنف)

نہایت نہیں ہے تیری مغفرت جو بخشش ہے نہایت معصیت کو
 (نہیں) (کو)

دنیا میں ہے ملک تیری ضارے قیامت میں صبح تیری رضارے
 (تک) (کل)

عذابوں سے حشر کے بخش بارب مجھے رکھ اپنے افعالوں مقرب
 (مجھے) (کاموں میں)

الہی قدر عالم کی دعا کو توں پر لا تو نچہ میری مدعا کو
 تو (تو ہی)

اختتام (از کاتب)

ہو نہ شفیج محشر، یا مصطفیٰ محمدؐ
 تم سا کوئی ہوا ہے اور شرک نہ ہوگا
 جہن و بشر کے سرور یا مصطفیٰ محمدؐ
 ہستی تمہاری بکسر ہے رحمت الہی
 دو توں جہاں کے سرور یا مصطفیٰ محمدؐ
 یہ آرزو ہے دل میں روضے کے تین تہاے
 نابود و بود اندر یا مصطفیٰ محمدؐ
 خاک اس مکان کی لے کر گلِ البصر کریں ہم
 ہم سر سے جائیں چل کر یا مصطفیٰ محمدؐ
 نعلین پا تمہارے جو تاج خسرواں ہے
 ہووے اگر میسر یا مصطفیٰ محمدؐ
 پیکوں سے روضہ جھاڑوں سرستاں رکھوں
 واروں یہ دل سرا سیر یا مصطفیٰ محمدؐ
 دوسرا نسخہ :-

فقہ محفوظ خانی نمبر 9 - اوراق 133 - سطر 17 - سائز 12x7 ناقص الاول
 ترقیمہ ندارد -

کتب خانہ اصفیہ :-

فقہ محفوظ خانی : (نمبر فقہ حنفی : 306) سائز 6x9، صفحہ 366 - سطر 13،
 خط نستعلیق - مصنف قدر عالم - تاریخ تصنیف 1199ھ - تاریخ کتابت 1234ھ
 ترقیمہ :- تاریخ بست و چہارم ذی قعدہ 1236ھ بروز جمعہ بوقت عصر
 بمقام الوال حسن انصرام یافت -

نصیر الدین ہاشمی کی اطلاع کے مطابق جامعہ عثمانیہ میں بھی فقہ محفوظ خانی کا
 ایک نسخہ ناقص الاول موجود ہے -

حضرت قدر عالم کے حالات کا کما حقہ علم نہ ہو سکا - تعجب ہے کہ سوائے
 ڈاکٹر فہمیدہ بیگمؒ ڈاکٹر ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، کے کسی تذکرہ نگار نے آپ کا
 نام تک نہیں لیا ہے - حالانکہ شاہ قدر عالم اپنے زمانے کے قد آور شاعر تھے - آپ کی
 شاعری قدیم ہونے کے باوجود لسانی اعتبار سے حیرت انگیز حد تک شستہ اور منجھی
 ہوئی معلوم ہوتی ہے - آپ کو زبان و بیان پر کامل گرفت حاصل رہی ہے - بارہوی صدی
 ہجری کے شاعر ہونے کے باوجود آپ کی شاعری میں اس دور کے قدیم دکنی الفاظ کم اور فارسی

الفاظ و ترکیب زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔ اپنے نئے الفاظ کو بڑے حوصلے اور سلیقے سے برتا ہے۔ جس کی نظیر ولی دکنی اور شاہ گمال کے علاوہ کہیں اور ملنا مشکل ہے۔ آپ کی مثنوی فقہ محفوظ خانی، کالسانی اعتبار سے مطالعہ بہت سے خوش گوار نتائج کا حامل ہوگا۔ نمونہ اسی مثنوی میں شامل آپ کی ایک نعت شریف پیش کی جا رہی ہے:

محمدؐ ہے ظہورِ حقِ محمدؐ	ظہورِ حقِ ہوا ذاتِ محمدؐ
محمدؐ کرچہ صورت میں عرب ہیں	نکالو عین، دیکھو عینِ رب ہیں
احد واحد میں برزخ ذاتِ او پاک	ہوا ہے جس سبب عالم پوا فلک
نشان ہے بے نشان کا ذاتِ احمد	مکان ہے بے مکان کا ذاتِ احمدؐ
محمدؐ نورِ حق کا بے گماں ہے	کہ جس کے نور سے روشن جہاں ہے
کہ جس پر حق کیا ختمِ نبوت	و حئی کر سب دیا قرآن کے آیت
ہوا قرآن صفت میں جس کی نازل	محمدؐ سب نبیاں میں حق کے فضل
اگرچہ صورتِ انساں اتھے ۱ و	سراسر معنی سجاں اتھے او
امام المرسلین جس کو لقب ہے	شفیع المذنبین امت کے سب ہے
دیا معراج میں حق راز اپنا	محمدؐ کوں کیا ہمارا ز اپنا
محمدؐ برزخِ حق خلقِ میا نے	خدا کا راز عالم کو بتانے
خدا کا حکم ثابت ہم کو دیتے	گناہوں کو ہمارے بخش لیتے
اگر کوئی محکم پر اس کے چلے گا	او بے شک واصلِ حق ہو رہے گا
دلے، اوتاد، غوثِ اقطاء، ہر نبیؐ	بجالاتر کو پائے مرتبہ سب
محمدؐ جس سو راضی حق بھی راضی	جو مومن حکم میں ہے ان کے راضی
محمدؐ مؤمنان کا پیشوا ہے	سکل عالم کا آوارِ شفا ہے
محمدؐ آرسی ہے کبریائی	محمدؐ سوں ہماری ہر سائی
محمدؐ قبلۃُ الواحد و موجود	محمدؐ کعبۃُ عابد و معبود
محمدؐ پر صلوة اللہ ۲ ہر دم	بھی ان کی آل ہو اور اولاد پر رحم

شاہِ قدر عالم نے اپنی مشنوی کے آخر میں اپنے سلسلہٴ بیعت کا منظم شجرہٴ قادریہ بھی تحریر کیا ہے۔ اس طویل شجرہ سے حضرت غوث الاعظمؒ سے آخر تک کا حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ آپ کے روحانی فیوضات کے مراکز کا علم ہو۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

الحق قادری شجرے کی برکت	غایت منجیو کر تیری غایت
بحق بوسعید شیخ سلطان	بحق محی الدین صمدانی خلیلاں
بحق شیخ تاج الدین رزاق !	بحق شیخ عبداللہ آفاق
بحق شیخ ابراہیم حبیبی	بحق شیخ جعفر نقاش دینی
بحق شیخ علی حسن محمد	بحق محمد قادری جد
بحق عبدغفار ہور محمود	بحق شیخ روؤف جان مقصود
بحق شیخ وہاب انس وجہی	بحق شیخ عبداللہ فاضی
بحق شیخ ابی الفتح ہدایت	بحق شیخ ظہور حاجی غایت
بحق شاہ محمد غوث گوالیئر	بحق شیخ شاہ پھول والہ خیر
بحق شاہ پیر محمد	بحق شیخ آدم ہیں وہ سرمد
بحق شیخ شاہ بابر دیدی	بحق شاہ رحمت اللہ شیخ ہادی
بحق شیخ شاہ بدر عالم	اطال الیہ بقائے کا جہا جم

شاہِ قدر عالم کی اولاد و احلاف میں سے آج بھی بعض افراد سدھوٹ میں موجود ہیں۔ جو اپنے آبا و اجداد کے قیمتی علمی سرمایہ کو سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ انہیں انحضرتِ قدرت عالم پر تحقیق جاری ہے۔

حضرت سید شاہ نور اللہ بادشاہ بخاری قادری نور کدپہ

آپ حضرت سید شاہ جمال الدین بخاری جمال راجپوٹی (متوفی ۱۱۶۲ھ) کے منجھلے فرزند اور حضرت شہمیر (اول) (متوفی ۱۱۸۶ھ) کے برادرِ حقیقی تھے، آپ نے اپنے والد ماجد ہی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا پھر اپنے برادرِ بزرگ حضرت شہمیر سے

علم باطنی کی تکمیل کی، جس کا ثبوت آپ کی ایک فارسی غزل کے اس شعر سے ملتا ہے یہ

تہمیر کہ مرشد است پیرا او ساخته مرشدم ہمیشہ (تجلیات نوری ص ۱۱)

حضرت نورؒ صرف عالم بے ریا تھے بلکہ آپ صوفیؒ باصفا بھی تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی مُتَوَكِّلٌ عَلَى اللہ اور واصل الی اللہ تھی۔ سخاوت و ریاضت میں آپ بے نظیر تھے، صاحب اثر اعتقادؒ نے لکھا ہے کہ ”قائم اللیل و صائم النہار دائمًا فی الصلوٰۃ و التہجد ہمکنار جنیں مشائخ بے ریا و بے تکلف و صاحب سخا چشم جہاں ندیدہ باشند“ عاگہ حضرت نورؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”فقیر وہی ہے جو ہفتہ بھر سوائے ایک دودن کے فاقہ کشی کرے“ عاگہ یہ صرف آپ کا قول نہیں تھا بلکہ آپ اس پر عامل بھی تھے، اسی وجہ سے آپ اپنے دور کے تمام نوابوں اور حاکموں سے یکسر کنارہ کش رہے۔ حتیٰ کہ ٹیپو سلطانؒ (متوفی ۱۲۱۳ھ) کے عہد میں بھی آپ نے اپنی شخصیت پوشیدہ رکھی ورنہ حضرت ٹیپوؒ، حضرت شاہ کمال کی طرح آپ کو بھی اپنے یہاں سری رنگ پٹن ضرور مدعو کرتے اور شرف باریابی سے مشرف ہوتے۔

امام محی الدین خان صاحب حامی ابن غلام محی الدین خان رجا حیدر آبادی نے اپنی تالیف ”اثر اعتقاد“ میں آپ کا ایک غیر معمولی واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ: ”آپ نے ایک مرتبہ اپنے خادم کے ہمراہ راجپوٹی سے ناگپور سفر فرمایا۔ وہاں آپ کا معمول تھا کہ ہر روز بعد نماز مغرب خادم کو ذکر و اذکار میں مشغول رکھ کر آپ کہیں تشریف لے جاتے اور واپسی تاخیر سے عشاء کے بعد ہوتی۔ ایک ہفتہ کے بعد خادم کے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ روزانہ مجھے تنہا چھوڑ کر شیخ خود کہاں جاتے ہیں؟ یہ سوچ کر اس نے ایک دن خاموشی کے ساتھ آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپ نے بھانپ لیا کہ کیا ماجرا ہے، آپ نے اپنے اپنے روحانی سفر میں اسے بھی ساتھ لے لیا۔ خادم کیا دیکھتا ہے کہ وہ راجپوٹی میں ہے۔ وہ حیران رہ گیا کہ ابھی ناگپور میں تھے اور پلک جھپکتے ہی راجپوٹی میں حاضر ہیں۔ بہر حال حضرت اپنے بزرگوں کے مقابلہ کے پاس تشریف لے گئے اور فاتحہ خانی کے بعد نماز عشا ادا فرما کر واپس پھر دفعتاً ناگپور تشریف لے آئے۔ یہ دیکھ کر خادم بہت نادام ہوا اور حضرت کے

قدموں پر گر کر کے اس نے معافی چاہی۔ ۴۳ھ

آپ کا وصال شہر کڈپہ ہی میں ۱۲۱۴ھ میں ہوا اور آپ یہیں نہر راودی کے کنارے آسودہ خاک ہیں۔ بہر حال جب حضرت سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری معروف بہ قطب ویلور قدس سرہ (متوفی ۱۲۸۹ھ) حجاز مقدس کا دوسرا سفر فرماتے ہوئے کڈپہ تشریف لائے تو یہاں آپ کا قیام آپ کے مرید جناب کمال الدین عرف باشاہ صاحب کے یہاں تھا۔ باشاہ صاحب کا مکان نبی کوٹ میں تھا۔ نبی کوٹ کڈپہ کے نواب خان بہادر عبدالغنی خان (میانہ ۱۱۱۴ھ - ۱۱۸۵ھ) کے نام پر موسوم ہے۔ اسی نبی کوٹ سے متصل نہر راودی کے کنارے حضرت سید شاہ نور اللہ حسینی قادری نور کڈپوی کا روضہ شریف واقع ہے۔ حضرت قطب ویلور زیارت کے لیے حضرت نور کے روضے پر حاضر ہوئے تو بہت دیر وہیں رہے مراقب رہے۔ بعد ازاں آپ نے ارشاد فرمایا: ”یہ شیخ وقت نفع اور قرب لواقل سے گزر کر قرب فرائض بلکہ مقام قرب تک ان کی رسائی تھی“ ۴۴ھ

حضرت نور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ بقول مؤلف ”اثر اعتقاد فارسی اور اردو میں آپ کی پندرہ تصانیف ہیں۔ مگر کسی تذکرہ نگار نے ان سب کا نام اور تعارف پیش نہیں کیا ہے۔ البتہ مؤلف شہ میری اولیاء نے ارشاد نورہ (اردو منشور) تجلیات نورانی (فارسی منشور) عقائد نورہ (اردو منظوم) عملیات نورانی (فارسی) کا مختصر ذکر فرمایا ہے۔ یہ چاروں کتابیں غم مطبوعہ ہیں اور کتب خانہ آستانہ شہیرہ کی زینت بڑھا رہی ہیں۔ البتہ راقم الحروف کی نظر سے حضرت نور کا ایک مطبوعہ رسالہ مسمیٰ ”آداب المرشدين“ و آداب المریدین فی جناب المشائخ المحبین وواصلین“ گزرا ہے، جو اردو تشریح ہے، اور اس کے جملہ صفحات ۱۶ ہیں۔ تاہم تاریخ طباعت اور ناشر کا پتہ وغیرہ کسی طرح کی تفصیل اس پر درج نہیں ہے۔

الحاصل حضرت جمال کی تشریح کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ آپ کو شری نگاری میں یدِ طولی حاصل تھا۔ آپ نے تصوف و الہیات

کے دقیق مسائل اور حقائق و معارف کے مشکل مضامین کو بالکل عام فہم شائستہ و ششہ زبان میں پیش فرمایا ہے۔ جس سے ایک طرف آپ کی بلند حوصلگی اور رفعت علمی کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف آپ کے مخاطبین کی جن میں اکثر عوام الناس رہے ہونگے ذہنی بالیدگی اور اعلیٰ ظرفی کا بھی کافی ثبوت ہوتا ہے۔ حضرت نور کی طرح آپ کے ہمعصروں میں حضرت باقر آگاہ دیلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) نے بھی عام فہم و صاف و سادہ زبان اپنے منظومات کے مقدموں کے لیے استعمال کی جس میں علمی و فنی مسائل و مباحث پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ بارہویں صدی کے اختتام اور تیرہویں صدی کی ابتدا میں شمالی ہند کی شرجنوبی ہند کی بالخصوص کڈپہ اور ویلور میں لکھی گئی نثر کی طرح صاف و شفاف نہیں تھی بلکہ وہاں کی نثر فارسی ترکیب کی کثرت، مستحج و مقفی عبارت اور شاعرانہ تصنع کی وجہ سے کافی بوجھل اور بہت ہی گنگنک ہو گئی تھی۔ چنانچہ سید عبدالولی عزت (متوفی ۱۱۸۹ھ) مرزا علی نقی خان انصاف حیدر آبادی (متوفی ۱۱۹۵ھ) اور مرزا محمد رفیع سودا (متوفی ۱۱۹۵ھ) کے نثری نمونوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مایہ ناز محقق ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تاریخ ادب اردو میں رقمطراز ہیں :-

”اس نثر کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شمال میں اردو نثر ابھی اس درجے سے گزر رہی ہے، جس دور سے اردو شاعری محمد شاہ کے ابتدائی دور میں گزر رہی تھی“
ڈاکٹر غوصوف مرزا سودا کے حوالے سے کہتے ہیں :

”اس وقت تک شمال میں اردو نثر کا معیار قائم نہیں ہوا تھا اور اہل علم ”سہ نثر ظہوری“ اور ”پنج رقعہ کی انشاء پر دازی کی پیروی کر رہے تھے۔ سودا کے اس دیباچے کی عبارت مقفی ہے۔ اکثر جملوں میں وزن کا بھی التزام ملتا ہے۔ اسی لیے ترکیب الفاظ اس طرح نہیں ہیں جس طرح بولنے میں آتی ہے۔ اور الفاظ کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اسی لیے عبارت گنگنک ہو گئی ہے۔ سودا کے اسلوب پر جملوں کی بناوٹ اور فارسی جملے کا اثر حاوی ہے“ ۴۶

بہر حال اب یہاں حضرت نور کڈپوی کی شربطور نمونہ پیش کی جا رہی ہے

تاکہ راقم کے دعویٰ کی اہمیت اور صحت کا صحیح اندازہ قائم ہو۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اوّل فرض بندہ مکلف پر ایمان ہے اور

ایمان کلمہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی کلمہ میں بیان خدا کی وحدانیت کا اور رسول کی رسالت کا ہے۔ جو کوئی خدا کی یگانگی کو رسول کی رسالت کو پایا اور تصدیق اقرار خدا کی یگانگی اور محمد کی رسالت پر کیا، موحد اور مومن ہوا اسی واسطے لُجھے بیان کلمہ کی معنی کا اور توحید کا موافق شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت کے واسطے طالبوں

کے ہدی زبان میں سید نور الدین سید جمال الدین آسان کر کر حضرت سید محمد حسینی شاہ میر بادشاہ صاحب قدس سرہ کی فیض اور ارشاد کی برکت سے اور

حق تعالیٰ کی عنایت اور ہدایت کی اعانت سے لکھتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق
لا الہ یعنی نہیں کوئی بندگی لینے کے اور خدائی کے لائق الا اللہ مگر اللہ تعالیٰ

محمد رسول اللہ محمد پیغمبر اللہ کے ہیں۔ اس کا مقصود نفی اثبات۔ نفی
بمعنی نہیں۔ اثبات کا معنی ہے۔ نفی جھوٹے خداؤں کا۔ اثبات سچے اللہ کا۔

جھوٹے خدایاں وہ جو کافراں اور مشرکاں اور اہل ہوا مقرّر کئے ہیں۔ جیسا کہ
آفتاب، ماہتاب اور ستارگان اور بتاں اور سوائے اس کے۔ اللہ وہ کہ جس
کا بیان یعنی جس کی ذات اور صفات کا بیان اور اس کی یگانگی کا بیان محمد
رسول اللہ کے موافق اس کے حکم کے۔ ع ۷۷

حضرت شاہ نور شاعر بھی تھے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر
کہتے تھے۔ مگر آپ کے کلام اردو کا نمونہ کسی تذکرہ نگار نے پیش کرنے کی زحمت گوارہ
نہیں کی، راقم کو بعد تلاش بسیار چار غزلیں دستیاب ہوئیں۔ ان میں سے
تین غزلیں آپ کی فارسی ضخیم تصنیف ”تجلی النوار“ معروف بہ ”تجلیات نورانی“
میں مضمون کی توضیح و تشریح کے ضمن میں نقل کی گئیں۔ جیسا کہ آپ نے ایک
مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔ ”غزلیکہ طبع زاد این حقیر است و دران ایمانی از جسم

جسمانی تا ذات و ذاتی است۔ ایجا مثبت می گرد و این است ۛ اسی فارسی

عبارت کے بعد درج ذیل غزل پیش کی گئی ہے۔ غزل ۛ

ذات رب کی جسم و جسمانی نہی نفس بی نبی اور نفسانی نہیں
(بھی نہیں)

قلب قلبی بھی نہ پہچانے اُسے بلکہ نہیں ہی روح و روحانی نہی
(نہیں ہے روح)

ذات و ذاتی ذات اور اسکے صفا یوں جو نا سمجھے سو عرفانی نہی
(اس طرح)

معرفت رب کی ہر اک پر فرض ہے ہو رعبادت اُسکی جس ثانی نہی
(شوکت یوں)

ذات مطلق ہے ہمہ باطن ہے لیک ذات مطلق ہے ہمہ باطن ہے پنہانی نہی
(لیکن)

منشاء ہر دھبے و خد جمع توں او حقیقت احمدی فانی نہی
بعد اس کے ہے اہمیت سو کیا غیر نفس الامر انسانی نہی
بعد ہے جان ارواح و مثال جاں آگن پانی پوں پانی نہی
(آگ)

ہے کمال انسان کامل پر ظہور منظر کامل ہے نقصانی نہی
کیوں کہ سمجھے یو خفائق کے نکات جس میں خود بینی خداداتی نہی
گوش دل سے گوش کراؤال نور گیان کے جوہر ہیں یو کافانی نہی

(تجلی انوار: ص ۲۷)

تجلی انوار کے صفحہ نمبر پر ایک غزل مرقوم ہے جس کے چند شعر

حسب ذیل ہیں :

ظاہر منظر منظر نور احمد اللہ علم ظہور

احمد عالم ایک جُدا
ایک صُور دوسرا تِرا ایک
(اور)

تیسرا آپس آپ متین

اس میں نے کچھ شک واللہ
(نہیں)

منظر منظر نورِ خدا
سائک شاہد واحد یک
(دیکھ)

اک سوں دواوردوسون تین
(سے) (سے)

اللہ احمد نور اللہ

حضرت نور کی ایک اور غزل ملاحظہ ہو: ۷

جس کوں لائق ہے اُوکھا نا خلق پر احسان کا
(کو) (جتلانا)

دور ہے ذات سوں نام و نشان نقصان کا
(سے)

قوتِ سمعی کو اُس حاجت نہ ہرگز جان کا
(اُسکی)

از کلام نفسی خود جو نیکہ خطِ رہ جان کا
(۹)

کشف قلبی ہے جیسے حاجت نہ اُس برہان کا
(اُس)

عین ہے طرفین کا قآب ہے قوسین کا
نام مومن پائیاں ممکن ہوا ایمان کا
(پایا ہے)

دستِ رس اس میں نہی ہر جان اور انجان کا
(نہیں)

خاتمہ عنبرِ فشاں سوں ثنا سبجان کا
(سے) (کی)

متّصف ہے ذات اُوس کی با صفت ہائِ کمال
(اُس کی)

حیّ و قادر اور مرید و عالم و بینا ہے او
(وہ)

بے زباں بے حرف بے ارزنت ہے وہ کلیم
(ہیثم) (وہ)

اس صفاتِ سبعہ ذاتی کو کہتے اُمّات

ذاتِ واحد کی صفت واحد محمد جس ہے نام
ذاتِ مطلق متّصف ہو کر تمام اوصا میں
(سے)

یہ سخن کشفی شہود دی ہے بری تقلید سوں
(سے)

حضرت سید محمد مرشد روشن ضمیر
(یعنی شاہ میر)

علت غائی خلقت شاہ میر دو جہاں
اقتباس نور کبیرا اوس نور شیدوں
(کر لے) (سے) (اور) (سے) (سے)

و ادگر ہر سخن کی کُنڈ کے دیوان کا
پورا اجازت تس کرم سوں دوسر دوران کا
(۱۸۹۷ء) (سے) (سے) (سے)

حضرت نور کی چوتھی غزل ”ارشاد نور یہ“ کے سرورق سے پہلے کے صفحے پر
لکھی ہوئی ہے۔ آپ کے مذکورہ اشعار سے یہ نکتہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شاعری
مومنانہ جذبہ صادق کے تحت تخلیق پائی ہے نہ کہ محض شاعرانہ انگ کے تحت حضرت
نور ہوں یا اور کوئی اسی قبیل کی صوفی کامل بزرگ شخصیت ان کی تخلیقات کا موضوع
کچھ بھی ہو مگر ان کے مقصد تخلیق اشاعت حق اور ترسیل علم ہوتا ہے۔ اسی لیے بسا اوقات
ان کے کلام میں شاعرانہ رجحانات و فنی نکات کی جستجو مایوس کن ہوتی ہے۔ لہذا
ان تخلیقات کو ادبی تاریخ کے تسلسل کا ایک حلقہ زربین سمجھ کر مطمئن ہو جانا ہی
دیانت داری کا تقاضا ہے۔

بہر حال حضرت شاہ نور تاریخ ادب اردو میں ایک اہم نثر نگار کی حیثیت
سے ضرور اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ کے بعد بھی آپ کی اولاد و اصفا میں بہت سے شعراء
و ادباء گزرے ہیں جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں انشاء اللہ آئے گا، اب یہاں آپ کے
خواندان کے بعض ممتاز افراد کا شجرہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو آج بھی شہر کٹرہ میں
ہیں :-

حضرت سید نور اللہ بادشاہ بخاری نور کڈپوی

حضرت سید شاہ محمد بخاری

حضرت سید جمال الدین بخاری

حضرت سید نذر اللہ بادشاہ بخاری (مرحوم)

حضرت سید شاہ محمد جمال اللہ بادشاہ بخاری (مرحوم)
(گورنمنٹ سرفاضی لکھنؤ)

حضرت سید شاہ محمد جمال اللہ بادشاہ بخاری مرحوم
(گورنمنٹ سرفاضی - کڈیم)

شبہ کمال اللہ بادشاہ بخاری سید نذر اللہ بادشاہ بخاری معین الدین بخاری سید کریم اللہ بادشاہ
دگورنمنٹ قاضی کڈیم ایم اے، ایم ایڈ ایم اے، ایم فل عرف حضرت پیر

حضرت شاہ کمال (دوم)

حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری قادری
حضرت سید شاہ جمال الدین بخاری قادری جمال راجپوتی (متوفی ۱۱۶۲ھ) کے تیسرے
فرزند اور حضرت شہمیر (اول) کے برادرِ صغیر تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت برادرِ معظم حضرت
شاہ میر کی زیرِ سرپرستی اور نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچی، تزکیہ نفس اور فیضانِ باطن
کے جملہ مراحل بھی انہیں کے ظلِ عافیت ہی میں طے ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ آپ ایک
عارفِ کامل، عظیم مصنف اور باکمال شاعر ہونے کے باوجود ہر نئے مقام پر اپنے پیرومرشد
حضرت شہمیر کا ذکرِ خیر کرنے کو اپنا اولین فرض جانتے تھے۔ بالخصوص اپنی غزلوں کے مقطعوں
میں مرشد کا نام ضرور بنیتے تھے۔ یہ بات خود آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔

مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں :

- کمال حضرت شہمیر کی غلامی سے سنرائی خواجگی و بندہ پروری ہو نہیں
- شہمیر اگر نہ ہوی کمالی کو دستگیر گرداب بحرِ شرک سے او پار کیونکہ ہو
- رہ نقص معرفت میں پاؤے کمال کی کیوں شہمیر سا ہے مرشد عالی جناب یارب
- پیر شہمیر کے چرن پہ کمال سر سے پیلل یقین کے جا بلبل

آپ کے دیگر اساتذہ میں بقول حضرت سید شاہ قادر علی با شاہ صاحب
قادری زید مجید (سجادہ نشین آستانہ شہمیریہ) حضرت علامہ عبد الغفور لاری بھی ہیں۔
شاہ کمال علوم شرعیہ و معارفِ صوفیہ کے جامع الصفات تھے۔ آپ کی قوتِ مکاشفہ
بہت قوی تھی۔ چنانچہ اس تعلق سے مؤلف "اثر اعتقاد حامی بنید رابادی" نے ایک

اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت سیدہ ارقاد عرف جیلانی بادشاہ بخاری فرزند
 حضرت شہیراؤل اپنے سفر حج سے پیشتر ہر روز بعدِ عشاء اپنے مریدوں اور معتقدوں
 کو خوابِ غفلت میں چھوڑ کر چپکے سے گھر سے اٹھ جاتے اور رات چوٹی سے کڑیہ کی بتیس لیل
 کی طویل مسافت چشمِ زدن میں طے کر لیتے۔ حصولِ نعمتِ باطنی کی خاطر اپنے چچا حضرت
 شاہ کمال کی خدمت میں حاضر رہ کر نماز صبح سے پیشتر اپنے مستقر پہنچا کرتے۔ ایک مرتبہ
 آپ کا ایک مرید آپ کو گھر سے نکل کر غائب ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ حسبِ معمول جب آپ
 حضرت کمال کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ کمال نے اپنے برادر زادے سے فرمایا کہ۔ آج
 ہم دونوں کے درمیان موجود راز فاش ہو گیا ہے لہذا آئندہ میرے پاس اس طرح آیا نہ کرو
 شاہ کمال کے عقیدت مندوں میں سلطان طیبو شہید (۱۲۱۳ھ) بھی تھے
 سلطان نے آپ کو از روئے عقیدت سری رنگ پٹن مدعو فرمایا تھا۔ اور آپ کے
 ورودِ مسعود کے بعد ایک عرصہ تک آپ کی نورانی مجلسوں سے استفادہ بھی کیا تھا۔
 آپ سے حسنِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب انگریزوں نے سلطان کی خدمت میں
 ایک مراسلہ روانہ کیا کہ جس میں جنرل اور صلح میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے
 کی تجویز پیش کی گئی تو سلطان نے فوراً اپنا ایک ایلیچی شاہ کمال کی خدمت
 روانہ کیا اور آپ سے مشورہ طلب کیا اس وقت آپ اتفاقاً ذکر میں مشغول تھے
 آپ نے موعظہ کی نزاکت کے مد نظر ایلیچی سے فرمایا کہ ”در صلح خیر“ در صلح میں بھلائی
 ہے۔ مگر چونکہ سلطان کا نمائندہ غدار تھا اس نے کاغذ پر ”در صلح خیر“ یعنی
 اسلحہ اٹھانے اور جنگ کرنے میں بہتری ہے۔ لکھ کر سلطان کے حوالے کر دیا۔ سلطان
 نے سچھی دیکھ کر سمجھا کہ شاہ کمال جنگ کا مشورہ دے رہے ہیں۔ بعد ازاں گھسان
 کارن پٹیا جس میں سلطان نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس طرح تقدیرِ غالب لگی۔ شاہ
 شاہ کمال کو حضرت شہ میر کے دوست شیخ وقت حضرت خواجہ رحمت
 اللہ الملقب بہ نائب رسول اللہ (متوفی ۱۱۹۷ھ) سے عقیدت و محبت تھی۔
 اپنے مرشد کی وفات (۱۱۸۶ھ) کے بعد در بہ صاحب سے یگانگت اور تعلق خاطر

اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب نے خواجہ صاحب کے ہمراہ مدراس و بیور اور حیدرآباد وغیرہ شہروں کے سفر کئے۔ پند و نصیحت فرمانا اور بدعات و خرافات کا قلع قمع کرنا ان اسفار کا مقصد تھا۔ چنانچہ دونوں بزرگوں نے شہر مدراس میں شیعوں کے مقابلہ میں ایک ساتھ مناظرے کئے۔ شیعوں کی طرف مشہور فاضل میر غلام حسین جودت حصہ لیا کرتے تھے۔ حضرت ملا عبد العلی بحر العلوم مدراسی متوفی ۱۲۲۵ھ اور حضرت علامہ باقر آگاہ و بیوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) وغیرہ اصحاب کمال کے ساتھ شاہ کمال کے علمی روابط تھے۔ یہ حضرات شاہ صاحب کی علمیت و شخصیت سے متاثر تھے اور آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ آپ کی ذات والا صفات اسم بامستی تھی۔

شاہ کمال کو عربی، فارسی اور اردو زبان پر یکساں دسترس حاصل تھی آپ کثیر التصانیف تھے۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی آپ نے کتابیں لکھیں۔ یہ ذوق آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ آپ ایک فطری اور وہابی شاعر تھے۔ بلا مبالغہ ہزاروں اشعار آپ کے نوکِ قلم سے تخلیق پائے ہیں۔ آپ نے اردو میں شاعری فرما کر اردو پر احسان کیا ہے۔ آپ کے اشعار کا موضوع تصوف و احسان ہونے کے باوجود آپ نے اس پر مالِ مضمون کو اپنے قلمِ معجز رقم سے زندہ جاوید بنادیا، اس کی نظیر اُس دور کے دیگر شعراء میں ملنا بہت مشکل ہے۔ حضرت سلطان ٹیپو شہید نے آپ کو بجا طور پر ”جامیِ دکن“ کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ بقول محمد سخاوت مرزا آپ کو اپنے تمام ہم عصروں میں اپنے طرز اور رنگ کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔

شاہ کمال نے قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، مخمس، مستزاد وغیرہ اصنافِ سخن میں نہ صرف طبع آزمائی کی بلکہ اُن کے دامن کو حقائق و معارف سے مالا مال کر دیا آپ نے اپنی شاعری میں ہندی، فارسی، عربی الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے الفاظ بھی بر محل استعمال کئے۔ بالخصوص فارسی و عربی الفاظ شعر کے سانچے میں اس طرح چمک اٹھے ہیں جیسے کہ زیور میں نگینے یا فلک پر ستارے ضیا و بار ہوتے ہیں۔ شاعری صرف وارداتِ

قلبی ہی کا نام نہیں بلکہ اس کے ہمہ جہتی مقاصد میں افادہ و استفادہ اور افہام و تفہیم بھی شامل ہے۔ علمی موضوعات کے لیے شاعری کو وسیلہٴ اظہار بنانا ہو تو شاعر کے عالم و فاضل ہونے کے علاوہ اس کے لیے ژرف نگاہی، نکتہ رسی اور فنی چابکدستی کی بھی ضرورت پڑتی ہے ورنہ شعر موزوں ہونے کے باوصف بے وزن و بے وفار بن جاتا ہے اور بوجھل اور بلند آہنگ الفاظ سے شعریت مجروح ہو جاتی ہے۔ ایسے اشعار بارِ سماعت ہی نہیں بسا اوقات اپنے ہی وزن میں دب کر فنا ہو جاتے ہیں اور تاریخ میں ان کا نام و نشان دُور دُور تک باقی نہیں رہتا۔

شاہ کمال کے ہاں جو علمی شاعری ہے اس میں مذکورہ تمام محاسن بدرجہ کمال پائے جاتے ہیں، آپ کو فن پر قدرت حاصل ہے۔ مشکل سے مشکل مطالب کو سہل الممتنع کے طور پر بڑے ہی ہنرمندی کے ساتھ آپ نے اشعار کا جامہ پہنایا ہے۔ جس کی وجہ سے غزلیہ و نادر الفاظ بھی خوبیِ بیان کے سبب حسین و جمیل بن گئے ہیں۔ قاری یا سامع کو اس طرح محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس لفظ کے سوا کوئی بھی دوسرا لفظ ہوتا تو شعر کے حُسن کو دغ دار کر دیتا۔ بہر حال شاہ کمال کی شاعری یقیناً عطیہٴ خداوندی ہے۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کے جدید رجحانات اور نئے فنی میلانات کے مد نظر آپ کے کلام کا از سر نو جائزہ لیا جائے تاکہ ادب میں آپ کا صحیح مقام متعین ہو سکے۔ شاہ صاحب کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

- سنا کے معدن، عطا کے مخزن، وفا کے خرمین، صفا کے درپن

- رضا کے مامن، حیا کے گلشن، سرا کے مالی، نبی اُمّی
- گوش تیرے ہیں گہر لائے "خاؤ حلی" کے صدف

- باغِ مَازِاع کے نرگس ہیں دونوں نین تیرے
- یہ صافی رو، یہ ہر دو ابرو، یہ قَدِ دلجو یہ چشمِ جادو

- مثالِ درپن، ہلالِ روشن، نہالِ گلشن، غزالِ صحرا
- ملحد کی خستگی نہ ہوئی دفعِ گرچہ ہم
- حقیقتِ محقق نہی ہے تشرع
- مرہم دئے، علاج کئے، زخم کو سیئے
- بجز اصل ممکن ہے ہرگز تفسر؟

- یاراں کہو رسولؐ پہ صلوٰۃ اَلْفُ اَلْفُ
- کثرت کے شاختار کے نورس ثمر اوپر
- عالم کے منتہائے عروج اور اللہ کے
- معرفت ہے عبادتِ مطلق
- رحمتِ خاص، حق تعالیٰ کی
- اشیا کی ماہیات ہیں اعیانِ ثابۃ
- موجود ہیں وجودِ مفارضِ اللہ سے
- کیا مجھ کو انسان الحمد للہ
- محمدؐ کی اُمت ہیں پیدا کیا سو
- دیا مذہبِ اہل سنت جماعت
- قولِ ایمان ہے بزرگِ مستوی
- کسب کرانی آنا اللہ کا مقام
- سوز میرا پتنگ سے پوچھو!
- باجر امیرے اشکِ جاری کا
- مؤمن و کافر کے حق میں یار کی زلفِ راز
- دل باندھ اپنی زلف سے کہتے ہو مجھ کو جا
- بلبلو، اوسط گل بازی عشتاقی میں
- نرم و نازک دیکھنے میں سخت و محکم اصل میں

کسوتِ ابریشمیں ہے تجھ محبت کا لباس

شاہِ کمال نے ابتداء میں اپنے ہم عصروں کی زمینوں میں نظر لیں کہیں،
تضمینیں لکھیں مگر بعد میں بہت جلد اپنی الگ راہ نکالی اور ملکِ شعر و سخن میں اپنی
انفرادیت کا سکہ جمایا۔ اور شعر و ادب میں اجتہاد کا نیا باب کھولا، بقول مشہور محقق و مؤرخ
مولوی محمد خان میسوری: ”سید کمال الدین شاہ صاحب متخلص بہ کمال المتوفی 809ھ

بیک وقت سودا، انشاء، غالب و ذوق تھے، اور میرا اجتہاد ہے کہ غالب اور ذوق نے ان کے کلام سے استفادہ کیا ہے۔^{۱۵} مرزا غالب اور استاد ذوق نے براہ راست شاہ صاحب کے کلام سے استفادہ کیا ہو نہ کیا ہو مگر اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ آپ کا کلام کل کی طرح آج بھی قابل استفادہ اور لائق رشک ہے۔ شاہ کمال نے اپنے عہد میں نہ صرف جدید شاعری کی بلکہ اپنے دور سے بہت آگے کی شاعری کی۔ اس بات کا احساس خود شاہ صاحب کو تھا۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا : ۵

شعر قدیم ساتھ مشابہ ہے سخن تیرا کلام اگرچہ کمالی جدید ہے
راقم الحروف کی رائے میں جدت یا جدیدیت ایک امر اضافی ہے جو مقام و معیار کے تعین سے
بالا تر ہے۔

الغرض شاہ صاحب کی تقلید شعری کی مثال ملاحظہ ہو: ۵

ولی دکنی :-

ترا مکھ حُسن کا دریا وُ وُ موجاں چین پیشانی !

اوپر ابرو کی کشتی کے یہ تل جیوں ناخدا رستا

شاہ کمال :-

خدا کی ذات کے مرآت میں روئے خدا رستا جہاں کے جام میں عکس جمالِ مصطفیٰ درستا

ولی دکنی :-

تجھ عشق میں ولی کے آنجھواں اٹھ چلے ہیں لے بحرِ حُسن، ادیکھ، اس پور کا تماشا

شاہ کمال :-

گر قصد سیر تجھ کو آبِ رواں کا ہوے مجھ جوئے چشم کے دیکھ آنیر کا تماشا

مرزا رفیع سودا :-

ہر ہر ذرہ میں مجھ کو ہی نظر آتا ہے تم ہم، ٹکٹ بیکھو تو صاحبِ نظران ہے کہ نہیں

شاہ کمال :-

زاہد چشم تری کہہ نکراں ہے کہ نہیں دیکھ ہر ذرہ سے غور شید عیاں ہے کہ نہیں

خواجہ میر درد :- (رباعی)

توحید نہ بن چھپا چھپا کہتا ہوں جو کہتا ہوں بر ملا کہتا ہوں
ملا کو بھی اس سے نہیں ہے انکار بندہ بندہ ، خدا خدا کہتا ہوں

شاہ کمال :- (رباعی)

سائل کو جواب کیا بجا کہتا ہوں میں آپ کو بندہ نہ خدا کہتا ہوں
میں نیست ہوں است فی الحقیقت لیکن ہست مطلق کو رونا کہتا ہوں

شاہ کمال کا طباع ذہن تھا۔ آپ اختراعی مزاج کے حامل تھے اسی لیے یہ تقلید زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی، چنانچہ آپ نے اپنی شاعری میں نئی طرز ادا کے ہمدوش نئے الفاظ اور نئی اصطلاحات بھی وضع کیں، یہی اصطلاحات آج بھی علم تصوف کی بھول بھلیوں میں رامنہا ثابت ہو رہی ہیں۔ مثال کے طور پر چند الفاظ پیش کئے جا رہے ہیں۔
ہے پن ، نیں پن ، یک پن ، مشومات ، عینیت ، بے عینیت ، غیریت
بے غیریت ، محویت ، بلا محویت ، نیست نمائی ، ہست نمائی ، عبدیات ، ترشیں بخشش
تن وغیرہ۔

کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں آپ کا ایک قصیدہ ہے، جس کی شرح آپ نے خود اپنے ہی رباعیات سے کی ہے۔ یہ خاصہ کی چیز ہے۔ یہاں نمونہ قصیدہ کا پہلا شعر اور اس کی تشریح رباعیات میں سے چند پیش کئے جا رہے ہیں :-

قصہ کمالیہ مع رباعیات کمالیہ در شرح اس اشعار واقع شدہ اند :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصیدہ کا پہلا شعر :-

مسئلہ وحدۃ الوجود اول تشریحی رباعیات :-

دریا سے بر آئی ہے کیا موج عجاج پیدا ہے رخ آب پہ کیا طرہ حباب
کہتے ہیں عوام ، پر سمجھتے ہیں خواص بر شکل حباب و موج ظاہر ہے آب

بر صورتِ دُخیہ عرب لے عازر
جبریل کو ہونا متمثلِ حائز
ہر صورتِ خلق سے نمائش کرنے
کیوں قادر پر کمال ہووے عاجز

گر فرض کریں وجودِ حق کو مرآت
تب ہووے بجائے شخصِ عالمِ کذات
سب خارجی احکام اور آثار اُنکے
در رنگِ عکوس و صور سرِ ثبات

ہستی پہ شفی، سعید، مُقبل، مُدبر
بد نیک، پلید، پاک، مسلم، کافر
اطلاق نہ کر بلکہ ذواتِ اکوان
ہیں مقتضی اُسکی باطناً، ظہراً

ہر گہ کہ نمائش ہو صفتِ باری کی
نسبت سوئے خلق ہے نموداری کی
ہو خلق نمایاں تو نموداری حق
کر صفتِ صانع کی، نظر باری کی

اس قصیدے کے جملہ اشعار ۳۴ ہیں، جملہ رباعیات ۱۱۸ ہیں۔ پہلے شعر
کی تشریح میں ۳۷ رباعیات کہی گئی ہیں۔ انہیں رباعیات کے ابتدا میں ایک رسالہ
بطور تمہید ”کلمہ توحید“ کے نام سے مرقوم ہے۔ جس کے جملہ صفحات ۲۸ ہیں۔ ہر صفحہ
پر ۱۳ سطر ہیں، تاریخ کتابت ۲۷ ذی قعدہ روز جمعہ ۱۲۶۰ھ ہے۔ کاتب کا نام درج
نہیں ہے۔ اس مخطوطہ کا نمبر جدید (۱۸۹۹) ہے۔ اس رسالہ کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعریف اور توصیف سزاوار ہی اس خدا کوں جو پرستش کیا گیا ہے۔ جو ظاہر

(ہے) (کو) (کیا گیا)

میں عبادت کیا جاتا ہے۔ اسکو سو وہی ظاہر ہے مظاہر ہیں یعنی اگر چہ لوکاں بحسبِ ظاہر
(اگر چہ) (لوگاں)

اعتقاد سی کو اکب اور اصنام کو خدا ہی سمجھ کر سجدہ اور عبادت کرتے ہیں، لاکن از روی
(ہے) (سمجھ کر) (لیکن)

حقیقت کے وہی معبود مسجور انہوں کا بھی جو ظاہر ہے اس مظاہر میں : سے

(انہی کا ہے) (اُن)

غیرت اس کا غیر کو چھوڑا نہی لاجرم او عین اشبا ہو رہا
(اسکی) چھوڑا (یقیناً) (وہ)

اختتام :

وَأَنْقَضَتْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي اور تمام کے ہم اوپر تمہارے نعمت کو اپنی
جو تفصیل توحید حقیقت کے ہی کہ بیچ اس کی بالکل شرک خفی نہیں ہے وَرَضِيتُ لَكُمْ
الْإِسْلَامَ دِينًا اور اختیار کیا میں واسطے تمہاری ، اسلام کو کہ دین یک پاکیزہ
(تمہارے)

تمام دینوں سی یعنی معرفت توحید کے بانقیاد شریعت کہ ملا رہی شرعاً وَمُتَبَيِّنًا
(دینوں سے) (رہے)

والسلام - خیر الا تمام - تمت تمام شد بست و ہفتم ذوالقعدة روز جمعہ ۱۲۶۱ھ ہجریء
شاہ کمال کی اردو نثر کا کوئی نمونہ تا حال منظر عام پر نہیں آیا ہے اور نہ کسی
تذکرہ نگار نے اس کا ذکر کیا ہے ، رباعیات کمالیہ کی اس تمہید سے یہ گمان گزرتا ہے کہ یہ نثری
رسالہ شاہ کمال کا ہو۔ اس لیے کہ اس میں جو باتیں کہی گئیں وہی آپ کی رباعیات میں بھی
پائی جاتی ہیں۔ اور تصوف کے یہ مسائل کلام کمال کا خاصہ بھی ہیں۔ بہر حال قرین قیاس ہے
کہ یہ نثر شاہ کمال کی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی معرکہ الآراء و تصنیف ”تاریخ ادب اردو“ میں
تذکرہ مجمع الانتخاب مرتبہ ۱۲۱۷ھ کے مؤلف شاہ کمال ولد قادر نواز خان کا نام دینا
مغالطہ سید شاہ کمال بخاری تحریر کیا ہے۔ حالانکہ اس نام کے سادات بخارا سے تعلق
کھنے والے صوفی شاعر کڈپہ کے حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری معروف بہ شاہ کمال ہی
ہیں جن کا وصال ۱۲۲۲ھ میں ہوا ، مدفن گرم گنڈہ (نزدیک مل پٹی، آندھل) میں ہے۔
اور آپ اپنے جد امجد حضرت سید شاہ کمال الدین بخاری راؤل کے پاکین آسودہ خاک ہیں

آخر میں یہاں شاہ کمال کی اردو تصنیفات کا اجمالی تذکرہ کیا جا رہا ہے تاکہ آپ کے تعلق مزید تحقیقات کی راہ ہموار ہو۔

۱۔ معراج نامہ : (منظوم) بفرمائش خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ رحمت آباد (نزد نئور۔ آندھرا) مطبوعہ مطبع احمد قلندر بنگلور ۱۳۰۸ھ باہتمام حضرت سید شاہ علی مراد قادری افضل بخاری قدس سرہ نبیرہ حضرت شاہ کمالؒ

۲۔ دیوان مخزن العرفان : جملہ صفحات 476 سائز رائل۔ مطبوعہ حشمت الاسلام۔ بنگلور۔ سال طباعت ۱۳۳۱ھ باہتمام حضرت سید شاہ فقیر محمد الدین مقبیل میسوری نبیرہ دوم حضرت شاہ کمال۔ اس دیوان و کلیات میں چار سو تیس ۳۱۳ غزلیں گیارہ مخمس، چار مرتبے ایک سو چودہ رباعیات، مختلف قصائد، مناجات، مناقب اور چھٹی نامہ شامل ہیں۔ راقم کے پاس اس کا ایک مخطوطہ موجود ہے جو ۱۳۰۵ھ میں نقل کیا گیا تھا۔

3 حسن السؤال وحسن الجواب : (منظوم) شیخ اکبر حضرت محمد الدین ابن عربیؒ کی یہ مثال تصنیف کی منظوم شرح۔ ابیات تقریباً آٹھ ہزار (۸۰۰۰) ضیافت نامہ :- (منظوم) مطبوعہ مطبع فردوس باہتمام مطبع فردوسی، بنگلور۔ سال طباعت ندارد، شاہ کمال کی مذکورہ بالا تمام تصانیف کے مخطوطے رکتب خانہ آستانہ شہمیری کڈپہ میں محفوظ ہیں۔

5 بیاض نظم :- بقول ڈاکٹر حبیب النساء بیگم "حضرت دودھ پیراں صاحب کے مکان واقع عبدگاہ محلہ میسور میں شاہ صاحب کے دست مبارک سے لکھی ہوئی بیاض موجود ہے۔ جس میں آپ کی منتخب نظمیں ساٹھ صفحوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس کی تقطیع (۹/۲ x ۷/۷) ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی نظموں کی ترتیب دیوان کی طرح حروف تہجی کے اعتبار سے کی ہے۔ بیاض کے اول و آخر میں ان کی مہر ثبت ہے۔"

ریاست میسور میں اردو کی نشوونما : ڈاکٹر حبیب النساء بیگم صاحبہ ۸۶ مطبوعہ ۱۹۶۲ء بنگلور حضرت شاہ کمالؒ کی آل اور افراد خاندان تاحال شہر جملہ ٹڈنکو میں اور

شہر کڈپہ وغیرہ علاقوں میں سکونت پذیر ہیں۔

حضرت سید علی شاہ بخاری قادری لایع
کڈپوی حضرت شاہ کمال (ثانی) جامی

حضرت لایع کڈپوی

دکن کے چھوٹے صاحب زادے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کڈپہ ہی میں اپنے والد بزرگوار کے زیرِ نفل سرپرستی ہوئی ہوگی۔ آپ کو حصولِ علم کا بے حد شوق تھا۔ دن رات ایک تڑپ دل میں رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ مزید تحصیلِ علم کے لئے ویلور تشریف لے گئے، جہاں حضراتِ اقطاب ویلور کی مشہور خانقاہ ”حضرت مکان“ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن محوی قادری قدس سرہ (۱۲۴۳ھ - ۱۲۸۶ھ) کی نگرانی و اہتمام میں اعلیٰ تعلیم اور صالح تربیت کے لیے دارالعلوم لطیفہ جاری تھا۔ حضرت لایع علم کی سیرابی اور ذوق کی آسودگی کے لیے اس عظیم درس گاہ میں داخل ہو گئے۔ یہ وہی وقت تھا جب کہ حضرت محوی علیہ الرحمہ کے تحت جگر و نورِ نظر حضرت مولانا سید شاہ محی الدین عبد اللطیف المعروف بہ قطب ویلور (۱۲۸۹ - ۱۳۰۷ھ) اسی خانقاہی مدرسہ میں علم و عرفان سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ چون کہ حضرت قطب ویلور اور حضرت لایع تقریباً ہم عمر تھے لہذا قرین قیاس ہے کہ دونوں شریکِ درس بھی رہے ہوں۔ بہر حال حضرت لایع بہت ہی ذکی، فہیم اور بلا کے ذہین تھے۔ آپ نے بہت مختصر عرصہ میں علوم و فنون میں مہارتِ تامہ حاصل کر لی تھی، آپ کی فراست و ذکاوت کا ایک واقعہ آپ کے برادر زادے حضرت سید شاہ علی مراد افضل ابن حضرت سید شاہ اکمل قادری نے اپنی تالیف حکایاتِ فارسی میں نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ مؤلف ”شہمیری اولیاء“ نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

”سید علی صاحب (لایع کڈپوی) ایک روز سبق لے رہے تھے، دو زبانِ سبق ایک شکل بیان آیا۔ استاد صاحب نے تامل کیا اور فرمایا آج سبق ملتوی کرو، کل دے دوں گا۔ دوسرے دن بھی یہی نوبت آئی، شاگرد سید علی صاحب نے اپنی ذہانت سے اس بیان کو غور سے پڑھا اور جب مطلب سمجھ میں آ گیا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کر دیا۔ میرے

نیرے دینِ حسیہ معمول آپ سبق کے لیے تشریف لے گئے۔ استاذ صاحب ابھی تامل ہی میں تھے اور کتاب لے کر مطالعہ کر رہے تھے کہ معاً اس حاشیہ پر نظر پڑی جس کو آپ نے لکھا تھا۔ استاذ صاحب نے پوچھا: ”یہ حاشیہ کس کا ہے؟“ آپ نے سر جھکالیا۔ استاذ صاحب نے پھر پوچھا: ”سچ کہو یہ حاشیہ کس کا ہے؟“ آپ نے ادب کے ساتھ جواب دیا ”بندے نے یہ حرکات کی ہے اور ذہنی ناقص میں جو خیالات آئے لکھ دئے ہیں۔ یہ سن کر استاذ صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا دی ”اللّٰهُمَّ زِدْ فِرْدُ“ ۶۶

الغرض حضرت لایع علم و ادب کے عاشق و شیدائی تھے۔ علم و عرفان سے انتہائی شغف تھا اور مطالعہ کے ذوق و شوق نے آپ کو اپنی صحت کی طرف سے یکسر لالہ بانی اور لیے پروا کر دیا جس کے سبب دورِ طالبِ علمی ہی میں ”دِق“ جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ چون علاج و معالجہ سے مستغنی، بندہ راضی بردار تھا۔ نتیجتاً عنفوانِ شباب ہی میں جان بحق ہو گئے۔ وفات کے وقت بھی کتاب آپ کے سینے پر تھی ۶۷ گویا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مطالعہ کرتے ہوئے ابھی آنکھ لگی ہے۔ روحِ میر سے مغذرت کے ساتھ یہ کہا جائے تو مناسب نہ ہوگا: ۷

سرانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک پڑھتے پڑھتے سو گیا ہے

انتقال کے وقت عمر شریف اٹھارہ سال تھی۔ سالِ وفات ۱۲۲۷ھ اور مہ فوج اندرونِ احاطہ حضرت مکان و یلور ہے۔

الحاصل آپ اس کم عمری میں بھی بڑی لاجواب شاعری کی تھی۔ ذوقِ شاعر ورثہ میں ملا تھا۔ حالانکہ زندگی کی اٹھارہ بہاریں بھی مکمل نہیں دیکھ پائے مگر آپ کے اشعار سے عرفان و آگہی کی شمعیں روشن نظر آتی ہیں۔ زیادہ مشق و محنت نہ ہونے کے باوجود طرزِ ادا میں بالغ نظری و پختگی دکھائی دیتی ہے۔ تاحال آپ کے دو مشنویوں اور ایک محسن کا پتہ چلا ہے۔ مؤلف ”شہیر اولیاء“ نے صرف ایک کتاب ”ترجمہ چل چل“ کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال تصنیفات کی تفصیل اس طرح ہے :-

مثنوی ”حکایت دزد و شہر یار“ (قلمی) صفحات ۱۲۰۔ یہ مثنوی حضرت

جمع نے وفات سے ایک سال قبل کہی تھی : ۷
ابتداء :-

علم سے لاعین میں اعیان کے تیں
نورِ خور کا، مہ میں جوں باہر ہوا
نیں ہے تجھ کو شکل و شبہ و نموں
تو نے فرمایا ظہور لے ذوالجلال !
کس طرح موجود ہو خارج میں وہ
ہر کی خفاش کیوں دیکھے سنا
(سورج، جگکاڈر) (روشنی، چمک)

اختتام :-

لے دلِ لَامَع ز بس غافل نہ ہو
بندگی میں حق کی اب کاہل نہ ہو
یہ قلمی نسخہ مخزونہ کتب خانہ آستانہ شہمیریہ ہے۔

۲۔ ترجمہ ”چنل حدیث“ (منظوم) نمبر ۶۳۶۳ جدید، سائز
(۹×۶) صفحہ ۲۸، سطور ۱۰ تا ۱۳، خط نستعلیق۔

آغاز :-

حمد لکھنے میں جب قلم کو لیا
ایسی تقریر دل میں کیا
یو کہ ذاتِ خدا کی ہے تعریف
حضرت مصطفیٰ کی ہے تعریف
نورِ اللہ کا ہے نورِ نبیؐ
ہے ظہورِ خدا، ظہورِ نبیؐ

اختتام :-

السلام اے محمدؐ محمود
السلام اے جہان کے مسجود
السلام اے وکیل اللہ کے
السلام اے خلیل اللہ کے

یہ مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ کی زینت ہے۔ اور کتب خانہ شہمیریہ
میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

اس کے سبب تصنیف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آپ کی آخری مشنوی ہے۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں : ۷

فکر یک شب کیا میں دل کے بیچ
بالیقیں ہے یہ دنیا بیچ اور بیچ
اس میں بہتر ہے کچھ ثواب کریں
نہ کر چپ زندگی خراب کریں
پس کہا میں چہل حدیث بیاں
ہندی سے گر کرے تو ہے احساں
جب کہ کھویا ہوں باہوا و ہوس
عمر دنیا میں اٹھا رہ برس آئیں
مؤلف ”شہمیری اولیاء“ نے آپ کی ایک مختص نقل کی ہے جو کہ آپ کے
حصولِ تعلیم کے لیے کڈپہ سے روانگی کے وقت کہی گئی تھی، جس کے کُل گیارہ بند ہیں۔

پچند بند ملاحظہ فرمائیں :۔ ۷

سیر گلشن کے تبیں اہل ہوا جاتے ہیں
کوہ و صحرا کی طرف آبلہ پا جاتے ہیں
کو چہ یار میں اربابِ وفا جاتے ہیں
یعنی جس راہ میں مردانِ خدا جاتے ہیں
ہم بھی اے قافلہ سالار صبا جاتے ہیں

کوئی شائقِ مال اور کوئی مشتاقِ جمال
کوئی رکھتا ہے تمنائے عیال و اطفال
ہے کیسے خواہشِ دولت کوئی چاہے اقبال
ہم کو تقدیر کیا عشق کے پابندِ خیال
ایسی باتوں ستی ہم لائق اٹھا جاتے ہیں

جو منازل نہ کیا طے مہِ نور نہ ہوا
کون سا آبلہ پا ہے جو خوش اختر نہ ہوا
غیرِ سودہ قدم صاحبِ افسر نہ ہوا
گھر سے باہر جو نہ نکلا سو ہنر نہ ہوا
دربہ لے ہم مثل گدا جاتے ہیں

چھوڑ تہا تجھے ہم جو لگے جانے لامع
اشکِ خونی لگے آنکھوں سے بہانے لامع
دردِ دوری کو یہ خاطر سے بھلانے لامع
اپنا احوال تجھے یاد دلانے لامع
ہم نے یہ تازہ فحشس تو بنا جاتے ہیں

حضرت لامع کے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں :۔ ۷

رحمتِ عالمیں خطاب اُن کا
فیضِ بخش جہاں جناب اُن کا

سرورِ انبیاءِ شہ داریں واحد العصر، ہادی کوئین
فیضِ بخشِ جہانِ و اہل کرم قدوة السالکین نیک شمیم
احمرِ بے میم ہے جس کی صفت اور عرب بے عین جس ہے منقبت
جس سے محکم ہے جہاں کا راستہ درمیانِ خلقِ و حق کا واسطہ
جس کی درگاہ ہے سائلِ انبیاء مرسلین و اولیاء و اصفیاء
نورِ تیرا اولین کا ثناء ذات سے تیرے ہے عالمِ کوشنات
ہے تو سب و جہاں سے عینِ ذاتِ حق خلقِ مری اور تو ہے میراتِ حق
لامعِ سرگشتہ تیغِ فراق جان و دل سے راکھتا ہے اشتیاق

بہر حال قتیلِ علم و عرفان حضرت لامع کڑپوی کا درخشاں کلام سرمہ اہل بصیرت اور نغمہ رازِ طریقت ہے۔

شاہ جمال (ثانی) کڑپوی

حضرت سید شاہ جمال الدین بادشاہ
بخاری قادری المتخلص جمال (ثانی)

کڑپوی حضرت شاہ میر تانی بیرنگ (۲۰۸ھ - ۲۶۸ھ) کے فرزندِ دلبند ہیں۔ شاہ بیرنگ کے چھ صاحب زادوں میں پانچ صغیر سنی میں ہی داغِ مفارقت دے گئے تھے صرف شاہ جمال (ثانی) بفضلِ خدا مامون و محفوظ پائے بڑھے بھولے پھلے گبر و جوان ہوئے اکلوتے تھے۔ ماں باپ کی آنکھوں کے تارے تھے مگر افسوس زندگی کی تینسٹل بہاریں بھی پوری طرح نہ دیکھیں کہ دستِ اجل نے اس گلِ سرسبد کو نوچ ڈالا۔ اس طرح آپ نے اپنے والدین کے حینِ حیات خدا کو پیارے ہو گئے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ۲۶۴ھ میں آپ اپنے والد حضرت بیرنگ کے ساتھ کڈپہ سے شاہنور تشریف لے گئے۔ رحلت ہوتے وقت اہلیہ سے فرمایا کہ ہم آخری سفر پر جا رہے ہیں۔ پھر لوٹ نہ آئیں گے (شاہنور بکناؤں کرنا ٹک) میں دورانِ قیام شدید پیش میں مبتلا ہو گئے، علاج اور دوا دارو سے کچھ افادہ نہ ہوا۔ بالآخر مسجد میں لیٹے ہوئے ذکر کر رہے تھے کہ روح قبض ہو گئی۔ اپنی ولادت ۲۳۴ھ کے ٹھیک تینسٹ سال بعد ۲۶۴ھ میں انتقال فرما گئے۔ اور احاطہ

درگاہ سید احمد کبیر رفاعی شاہ نور میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم حضرت بیرنگ کے خصوصی اہتمام میں ہوئی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے مدراس روانہ کئے گئے پھر بعد فراغت تعلیم والد ماجد ہی کے ہمراہ زندگی کے باقی دن سیر معرفت و سلوک میں گزار دیئے۔ آپ کو بھی شاعری و سخن سنجی کا شوق تھا۔ آپ کی زبان کو ثرو نسیم سے دھلی ہوئی صاف و شفاف معلوم ہوتی ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-
 کلمہ کن کی ابتدا ہو تم لفظ وھو کی انتہا ہو تم
 خاص پیغمبر خدا ہو تم سرورِ جملہ انبیا ہو تم
 ذکرِ غیریت و دوئی کیا ہے اپنے سایہ سے بھی جدا ہو تم
 نور ہر شے کا آپ ہی کا نور ذرے ذرے میں جا بجا ہو تم
 وحدتِ مطلقہ میں کہ دو جمال بے شک و بے گمان خدا ہو تم

سیہ ستوں کو ان آنکھوں کے میخانے سے کیا نسبت

یم عشرت کے گردابوں کو پیمانے سے کیا نسبت

تمہارے حسن کے ثعلے کو شمعِ طور کیوں کہنا

کلیم روح کو میرے ہے پروانے سے کیا نسبت

جمالِ الدین اگر خوابِ عدم ہے زلیست سے بہتر

ولیکن خواب کو اس کے ہے دیوانے سے کیا نسبت

بہر حال آپ کی تاحال دو غزلیں دستیاب ہوئی ہیں جن کا انتخاب

پیش کیا گیا ہے۔ (مخلص از شہ میری اولیاء: صفحہ ۲۳)

حضرت سید شاہ محمد حسینی عرف شاہ

میر بادشاہ بخاری قادری ددوم المتخلص

حضرت بے رنگ کدپوی

بہ بیرنگ قدس سرہ نبیرہ حضرت شہ میرِ اول (متوفی ۸۶ھ) اور حضرت جیلانی بادشاہ شہید (۱۲۵۶ھ) کے فرزندِ کلاں تھے۔ آپ بڑے ہی ذاکر و شاعر اور خدا ترس

بزرگ تھے۔ ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور کوئی لمحہ لَا یَعْنٰی باتوں میں گزارنا آپ کو سخت ناپسند تھا۔ اسی لیے آپ اپنے ملاقاتیوں سے دریافت کرتے کہ کتنا وقت چاہیے جب بتایا جاتا تو دورانِ ملاقات وقتِ مقررہ ختم ہوتے ہی خود سلام کہہ کر قبلہ رو ہو جاتے اور اوراد و اذکار میں مصروف ہو جاتے تھے عینہ آپ کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ سنِ شعور سے روز وفات تک کبھی نماز تہجد بھی آپ سے فوت نہیں ہوئی۔ عینہ حضرت بیرنگ قائم اللیل و صائم النہار تھے، چنانچہ آپ کا وصال بھی رمضان شریف میں روز کے کی حالت میں ہوا تھا۔ عینہ حضرت حامی حیدر آبادی نے اپنی فارسی تالیف ”اثر اعتقاد“ میں جو شاہ بیرنگ صاحب کی وفات کے نو سال بعد ۱۰۷۷ھ میں ترتیب دی گئی تھی لکھا ہے کہ حضرت بیرنگ کے انتقال کے چار ماہ بعد دغالباً محرم ۱۰۷۹ھ) کڈپہ کی نہر داؤد خانی (مُکْکَاؤُنْکَا) میں طغیانی آئی۔ تمام گھروں میں سیلاب کی وجہ سے پانی داخل ہو گیا۔ یہاں تک کہ شاہ بیرنگ کے مزار کی مٹی بہ گئی اور نعش مبارک قبر سے باہر آ گئی۔ مگر خدا کی قدرت کہ مرفد کے اوپر ہی تیرتی رہی۔ جب سیلاب کا زور ٹوٹا تو نعش پھر تربت میں چلا گئی۔ اس عجیب العقول واقعہ کو شہر کے بہت سارے افراد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ عینہ بقول حضرت سید شاہ قادر علی بادشاہ شہمیری مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ شہمیریہ کڈپہ، حضرت بیرنگ کے معتقدوں میں شہر کڈپہ کی مشہور و معروف شخصیت خان بہادر حکیم سید عبد المجید عرف منجمیاں صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید حسین المعروف بہ سید صاحب (۱۱۳۲ھ - ۱۲۳۸ھ) نے نہ صرف نعش شریف کی زیارت کی بلکہ بائیں پیر کا انگوٹھے کو جو کفن سے باہر نکلا ہوا تھا بوسہ بھی دیا اور مزار شریف کو از سر نو پختہ تعمیر کروایا۔ بہر حال آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے اور آپ کے متوسلین میں انسانوں کے علاوہ جنات بھی تھے۔

شاہ بیرنگ کڈپوی نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ نے اردو شعر زیادہ نہیں کہے مگر آپ کا جو کچھ

بھی شعری سرمایہ دستیاب ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی منجھی ہوئی زبان پاک و صاف لب و لہجہ اور ندرتِ خیال کے اعتبار سے آپ کو اپنے عہد کے قابلِ قدر شعراء میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو :-

انساں کو سمجھتے ہیں کہ یک پتلا ہے خاکی
سمجھے ہی نہیں اوسمیں خدائی ہے خدا کی

میں کون ہوں کیا ہوں میں کہاں ہوں نہیں معلوم
میرے سے عیاں دیکھئے قدرت ہے خدا کی

عشاق کو اک دم میں ہی کر لیتا ہوں مائل
تاثر مرے میں ہے، بھری کانٹا ہر یا کی

جب وصل ہوا عاشق و معشوق کا بیرنگ
ہر سمت سے آتی تھی صدا اُنٹا اُنٹا کی

ہم کو خدا ہے غیر سے فریاد کیوں کریں •
قیدی بنا ہے بلبل دل دامن زلف کا
منظوم ہیں تو شکوہ بیدار کیوں کریں
ہم قتل ہی ہو جائیں گے ہم کو یقین ہے
جب دل نہیں تو شکوہ بیدار کیوں کریں
کہ دو بھلا کہ منتِ جلا د کیوں کر
دنیا کے ہم حصول میں بیرنگ تم کہو
عزت کو کھوئیں دین کو برباد کیوں کر

• سرمیں سودائے محمدؐ ہے، میں دیوانہ ہوں

شمع احمدؐ ہیں، تو میں شمع کا پر وانیہ ہوں

کوئی پیارا نہیں مجھ کو، ہیں محمدؐ پیارے

میں ازل ہی سے محمدؐ ہی کا دیوانہ ہوں

میں ہوں شیریں میں ہوں فراد، میں لیلیٰ مجنوں

اور دیکھو تو میں ان سب کا بھی افسانہ ہوں

قلبِ مومن ہے بلا ریب مکانِ خالق

وہ ہے سینہ میں میکہ حق کا میں کا شانہ ہوں

دیکھ لو صورتِ بیرنگ میں روئے حق کو

۶۴

جانِ جاں، جانِ لو، میں جان کا جانانہ ہوں

آپے مزارِ فوجِ سودا کے ایک شعر کا جواب دیا ہے، جو علاقہ کڈپہ میں زبان

زود خاص و عام ہے۔ ۷

شعرِ سودا:- ۷

سودا ہزار حیف کہ ہم اس جہان میں کیا کر چلے اور اے تھے کس کام کے لئے؟

شعرِ شاہِ بیرنگ:- ۷

بیرنگ ہزار شکر کہ ہم اس جہان میں وہ کر چلے کہ آئے تھے جس کام کے لئے

حضرت سید جلال الدین عرف یوسف

علی شاہ بخاری قادری فرزند کلاں حضرت

شاہِ اکمل

شاہ کمالِ جامی دکن قدس سرہ (متوفی ۱۲۲۳ھ) ایک متوکل علی اللہ بزرگ تھے۔ علمِ عرفان اور زہد و تقویٰ آپ کی گھٹی میں پڑے تھے۔ آپ حسنِ صورت و جمالِ سیرت کے

مجمع البحرین تھے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد کتبِ منداولہ کی تکمیل کے لیے

مدِراس تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کا قیام ”جام بازار“ کی مسجدِ امیر النساء بیگم میں تھا۔ زمانہ

طالب علمی کا ایک سبق آموز واقعہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت علی مراد شاہ افضل کڈپوری

نے اس طرح رقم فرمایا ہے کہ ”والد بزرگوار فرماتے تھے کہ تحصیل علمی کے زمانے میں مسجدِ

امیر النساء بیگم مدِراس میں میرا قیام تھا۔ میرے پاس کچھ قلیل رقم تھی، وہ چند دنوں بعد

ختم ہو گئی اب فاقوں پر فاقے ہونے لگے۔ یہاں تک کہ نمازیں قیام کی بھی سکت نہ رہی۔ ایسی

حالت میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بصدِ عجز و انکساری میں نے دعا کی کہ رب العالمین

میری آبرورکھ لینا اور میری حاجت بر لانا۔ اللہ کا کرم کہ دعا قبول ہوئی۔ رزق کے دروازے

غیب سے کھل گئے۔ اس کے بعد عرصہ دراز تک میرا قیام وہاں رہا مگر کبھی بھی فاقہ کی نوبت

نہیں آئی۔“ ایک اور مقام پر حضرت افضل تحریر فرماتے ہیں: ”والد ماجد ارشاد فرماتے

ہیں کہ ہم طلبۃ العلوم نمازِ عشرہ سے فارغ ہونے کے بعد مطالعہ کتب میں رات بھر اس طرح

مستغرق ہو جاتے کہ صبح کی اذان ہو جاتی اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ رات کیسے گزری۔“
(ملخص از فارسی حکایات)

بہر حال آپ نے بڑے ہی شوق و ذوق کے ساتھ تعلیم حاصل کی، اس دور کے جید علماء و فضلا سے اکتسابِ علم کیا اور بعد فراغت وطن مالوف کڈ پہ لوٹ آئے بعد ازاں آپ نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ کمال قدس سرہ سے فیضانِ باطنی حاصل فرمایا۔ اور خلافتِ قادریہ سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت شاہ کمال کی وفات کے بعد حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری خلیفہ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ سے دیگر سلاسل میں بھی اجازت و خلافت سے فیض یاب ہوئے۔ الغرض حضرت اکمل اپنے آبا و اجداد کی طرح صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کے پانچ رسائل تاحال دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے آپ کی شاعری اور نثر نگاری کا اچھا خاصہ نمونہ ہاتھ لگتا ہے۔ آپ کی شاعری میں اپنے والد شاہ کمال کی چھاپ نظر آتی ہے۔ پر شکوہ الفاظ کا استعمال اور سلاست و روانی کا امتزاج آپ کی شاعری کا خاصہ ہے۔ نثری نگاری میں بھی اس خانوادے کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ آپ کی نثر عالمانہ اور رنگِ قدیم سے آراستہ ہے۔
تصانیف کا تعارف اور نظم و نثر کے نمونے درج ذیل ہیں:-

۱ چھل حدیث :- یہ حضرت شاہ کمال کے رسالہ چھل حدیث

منظوم فارسی کا منظوم ترجمہ اردو ہے۔ سال کتابت ۱۲۸۸ھ جلد صفحات: ۲۸

۲ مقصود السالکین :- (اردو نثر) تقطیع متوسط، فن تصوف کا

بہترین رسالہ۔ یہ نسخہ بحسب اطلاع محمد سخاوت مرزا کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کا مخزون ہے۔ ع ۶۹

(نسخہ دوم) مخزونہ کتب خانہ آستانہ شہمیریہ، کڈ پہ۔ ”مقصود السالکین“

رسالہ تصوف یہ نثر میں ہے۔ مگر حمد و نعت نظم میں ہیں۔ جلد صفحات: ۱۱۲۔ سطر: ۱۳

کتابت نستعلیق۔ مصنف شاہ جلال الدین اکمل حبیبی۔

ابتداء:

کروں حمدِ خدا یہ دم ہے کہاں
کس طرح یہ نشانہ قم ہونا !
ایسا دست اور دوات و خامہ کہاں
ہے زبس یہ ثنا کا بام بلند
یاں زبانِ قلم قلم ہووے
ہم کو کرنے ثنا زباں ہے کہاں
جب کہ فرمایا دین کا مالک
مَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَحْرِفَاتٍ

حمد کے چوالیس^{۴۲} شعر کے بعد ”مناجاتِ ریح جناب رسول مقبول کے
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عنوان کے تحت چھتیس^{۳۶} ابیات تحریر کی گئی ہیں۔ چند
ملاحظہ ہوں :-

عرض ہے یہ حضور انور سے
شاق ہے مجھ پہ ہجر دلبر کا
سرو گلزار جس کا قامت ہے
بیٹھا سینے میں جس کا خنجر ہے
اس کے ابرو کا ہم جو خم دیکھا
حاجی دل نے بولا اے گم راہ
دل کہا دیکھ ہر دو دیکھ رہا ہے
آنکھ اور ناک میں ہے لاشافی
جس کی دوری کی آتش افروزی
تیرے درگاہ پاک برتر سے
چمن ناز کے صنوبر کا
جس سے اس دل پہ یقیامت ہے
رگِ دل بیچ نوکِ نشتر ہے
مکہ جا مسجدِ حرم دیکھا
کر لے حج ہے یہی تو بیت اللہ
ہیں چمن میں دو گیند کیا پیارے
لکھ سکے ایسا نقش کیا معنی
کرے ہر دم مرے جگر سوزی

۳۔ مسائل زنان :- جملہ صفحات ۹۴۔ فقہ ترجمہ فارسی :
دشر، نمونہ ملاحظہ ہو :-

”اے طالبو! بوجھو تم جو سیر کرنے والے سیرانی اللہ اور فی اللہ اور باللہ
اور مع اللہ کے ہیں۔ واسطے سالکانِ راہِ حق کے اور طالبانِ دیدارِ مطلق کے پانچ راہ

اور چار منزل اور یک مقام مقرر کئے ہیں۔ پانچ راہ یعنی راہ شریعت، راہ طریقت، راہ حقیقت، راہ معرفت، راہ وحدت۔ چار منزل: منزلِ ناسوت، منزلِ ملکوت، منزلِ جبروت، منزلِ لاہوت۔ یک مقام: مقامِ قرب۔

اے طالبو اس بیان کو بغور اور تامل کاں سے قبولیت کے سنو اور موافق سننے کے عمل کرو۔ اول راہ شریعت یعنی اس ظاہر کے تن سے عبادت کرنا۔ دوسری راہ طریقت دل سے عبادت کرنا۔ تیسری راہ حقیقت جان سے عبادت کرنا، چوتھی راہ معرفت پچھائیت اور دیدار حق سبحانہ کا یعنی حق سے حق کو دیکھنا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے عَرَفْتُ رَبِّي بِرَبِّي وَرَأَيْتُ رَبِّي بِرَبِّي۔۔۔۔۔“

۴ ترجمہ رسالہ عربی۔ مختصر مخطوطہ۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔

۵ بعض دکنی غزلیں اور ایک رباعی۔

رباعی ملاحظہ ہو :-

اقسام کی بخششیں خدا بخشے ہے ہر اسم سے یک عطا جدا بخشے ہے
ہر آن میں اس حقیقت عالم کو اک اسم فنا تو یک بقا بخشے ہے
حضرت اکمل کا وصال بارہ سو ستہتر (۱۲۶۷ھ) میں ہوا۔ آپ کڈپہ سے محل تشریف لے گئے تھے۔ وہیں آپ کا وصال ہوا اور محل کی مسجد میں سپرد خاک کئے گئے۔ (محل رائی چوٹی ضلع کڈپہ کے قریب ایک قصبہ ہے جو اب ضلع چتوڑ میں شامل ہے۔)

حضرت سید شاہ سلطان محی الدین
بادشاہ بخاری قادری کا لقب ”غوث نما“

شاہ سالک

اور تخلص سالک تھا۔ آپ حضرت سید شاہ حسینی بادشاہ بخاری (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے تحت جگر و نورِ نظر اور حضرت سید شاہ نور اللہ واقف اسرار اللہ بخاری نور کڈپوی کے پوتے تھے۔ آپ نے طلبِ علم کے شوق میں عہدِ طفولیت ہی میں وطنِ مالوف کڈپہ کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ حصولِ علم کے سلسلہ میں آپ کے دس سال ویلور میں چار سال شہر آراکٹ میں

گزرے آپ وہاں سے بعد تکمیلِ مدراس پہونچے اور شہر کے جید علماء و صلحاء سے خوب اکتسابِ نور فرمایا۔ آپ علومِ دینیہ سے فارغ ہونے کے بعد جب کڈپہ پہونچے تو حضرت بیرنگ (متوفی ۱۲۶۸ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ عرصہ بعد حضرت بیرنگ نے آپ کو چاروں سلسلوں میں اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ جب شیخ و مرشد کا وصال ہو گیا تو آپ مزید تحصیلِ معارف اور تکمیلِ مراتب کے لیے صوفی کمال صاحبِ دل بزرگ حضرت سید شاہ فخر الدین صاحبِ قادری شطاری سے وابستہ دامن ہو گئے اور مرشد شاہ فخر الدین کے حکم سے مختلف شہروں کا دورہ کرنے لگے تاکہ ہدایتِ خلق و اشاعتِ حق کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اسی سلسلہ کی کڑی کے طور پر جب آپ کا ورودِ مسعود شہر حیدر آباد میں ہوا تو ایک مدت قیام پذیر ہونے کے بعد تقریباً ۱۳۰۰ھ میں واصل الی اللہ ہو گئے۔ آپ کا مزار شریف عثمان گنج کے قریب ”گوشہ محل“ میں واقع مسجدِ توپ خانہ کے قبرستان میں موجود ہے۔ آپ کے ایک خلیفہ امام محی الدین حاجی حیدر آبادی ولد غلام محی الدین رجائے ”اشراعتقاد“ کے نام سے ۱۲۷۰ھ میں ایک رسالہ ترتیب دیا تھا۔ جس میں آپ کے حالاتِ زندگی، خاندان اور سلسلہٴ بیعت وغیرہ کی تفصیلات درج ہیں۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ اردو کے مشہور محقق محمد سخاوت مرزا نے آپ کی تصانیف کی تعداد بتیس بتائی ہے غرض اور سب کا مختصر تعارف بھی کر آیا ہے۔ چونکہ آپ حیدر آباد میں آسودہ خاک ہیں اس لیے آپ کے تذکرہ نگار آپ کو حیدر آبادی شعراء میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ آپ کی خمیر کڈپہ کی سرزمین سے اٹھی تھی۔ بہر حال ”مشتی نمونہ از حروائے“ کے مصداق آپ کی شاعری و نثر نگاری کا بلا انتخاب نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

محمد باعت کون و مکان ہے	محمد یاد شاہِ مرسلان ہے
ہے مرآتِ خدا سر دارِ دو عالم	محمد عکسِ ذاتِ بے نشان ہے
مکانِ لامکان کا ہے مکین وہ	محمد کا یہاں ظاہر مکان ہے
گلِ دارِ جدائی سے نبی کے	مرادِ غیرتِ صد بوستان ہے

جگر میں آہ ہے اور لب پر نالہ مری آنکھوں سے ابندی رواں
 دکھا سالک کو اب راہِ مدینہ اگر چہ ہوں یہاں پر دل و ہاتھ
 • حال میرا کہاں ہے اوّل کا میں ہوں فیضِ جنوں سے جنگل کا
 اے فلک مجھ کو کیوں ستانا ہے میں تو مہماں ہوں آج یا کل کا
 رات دن پانی ہی چرانا ہے کام اس آبلے کی چھا گل کا
 ضعف کا حال کیا کہوں یارب بوجھ مجھ کو کفن ہے ملل کا
 اندنوں کچھ عجیب ہے سالک
 حال میرے جنوں کے چھل بل کا

عہ

رباعی: ۷

صورت کے نظر آنے کو لازمِ مِرآت مِرآت میں مری کی ہے صورت دن رات
 اس ایک میں چاہو تو ہزاروں دیکھو مِرآت کے ٹکڑوں میں ہیں لاکھوں صورت
 حضرت سالک کی شاعری میں سلاست و روانی کے ہمراہ نازک
 خیالی اور فضا بندی کا عنصر غالب ہے۔ آپ کا معیاری کلام اس دور کے شعراء
 میں آپ کو منفرد و ممتاز مقام عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔

نثر :-

”الحمد للہ شروع اس کتاب کا، نام سے اُسی کے ہے جو وہ ہر
 جائے موجود ہے۔ اور جملہ مخلوقات کا معبود ہے، سوائے اس کے کوئی وجود نہیں
 رکھتا، سب اس سے موجود ہیں.....“

تمام ہوا رسالہ نکات الواصلین مد سے مرشد کامل کے، جب
 اس جائے قلم پہنچا لکھنے سے بند ہوا، معلوم ہوا کہ ارادہ حق تعالیٰ کا یہاں تک
 ہی ہے۔ اگر آگے ہوتا تو اور کچھ لکھا جاتا۔ اللھم اغفر لی والوالدیہ و
 لمصرشدنا حضرت سید حسینی باشا قادری و حضرت روشن ضمیر
 سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قادری الحشتی قدس سرہما۔ آمین..

حضرت سالک کی شریف روایات کی حامل ہونے کے باوجود معارف و حقائق کی متحمل ہے، اور اس میں یک گونہ روایت شکنی بھی موجود ہے۔

آپ کا اسم گرامی سید عبدالقادر بخاری عرفیت قادر بادشاہ اور تخلص

حضرت عبد کدپوی

عبد تھا۔ آپ حضرت سید جمال الدین بادشاہ (ثانی) جمال کدپوی متوفی ۷۶۲ھ کے فرزند ارجمند اور حضرت شاہ میر ثانی بیرنگ کدپوی متوفی ۷۶۸ھ کے لاڈلے پوتے تھے۔ چوں کہ آپ والد کے وصال کے تین ماہ بعد پیدا ہوئے تھے اس لیے آپ کے دادا شاہ بیرنگ اس دریتیم کی بڑی ہی قدر و حفاظت فرماتے تھے۔ آپ ابھی چار ہی سال کے ہوئے تھے کہ دادا جان اللہ کو پیارے ہو گئے۔

والدہ ماجدہ نے اپنے نخت جگر کو محلہ نبی کوٹ کے دینی مدرسہ میں داخل کیا۔ اس وقت نبی کوٹ اہل علم و فضل کا مرکز تھا۔ آپ نے وہاں کے بہت سارے علماء و فضلاء سے اکتساب علم کیا۔ بعد ازاں حضرت سید علی مراد شاہ بخاری افضل کدپوی کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم باطنی سے بہرور ہوئے۔ آپ عالم باعمل اور زاہد بے بدل شخص تھے۔ آپ کی ذات آپنے جدِ اعلیٰ شاہ جمال (اول) کی طرح سخاوت و فیاضی میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”دل کھول کر خرچ کرو جس قدر باؤلی سے پانی نکالتے جاؤ گے اتنا ہی آتا جائے گا۔ اسی طرح فراخ دلی سے خرچ کرنے سے اللہ کی دین میں کمی نہیں ہوتی“ حضرت افضل نے آپ کی شادی اپنی اکلوتی بھانجی یعنی حضرت عیسیٰ میاں کی دختر نیک اختر سے کرائی۔ افسوس کہ آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح عین جوانی میں یعنی چھتیس سال کی عمر میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ کو بھی اپنے اسلاف کی طرح شاعری کا صلح ذوق تھا۔ سلیحے ہوئے شعر کہتے تھے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے آپ کی شاعری قابلِ قدر ہے۔ نمونہٗ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

محمد وارثِ انسان و جان ہے
 محمد انتہا میں بس عیاں ہے
 محمد دونوں عالم کا نشان ہے
 محمد شاہِ حق و قدسیاں ہے
 محمد رازِ حق کا راز داں ہے
 طریقت میں خدائے دو جہاں ہے
 محمد نورِ خالق بے گماں ہے

عرض محمد کہ طلبگار ہوں تیرا
 پیارے مرے آ طالبِ مدار ہوں تیرا
 عاصی و گنہگار، سیہ کار ہوں تیرا

حضرت سید شاہ مراد علی عرف علی مراد
 شاہ بخاری قادری افضل کد پوی حضرت

محمد مالکِ کون و مسکان ہے
 محمد ابتدا میں تو نہاں ہے
 محمد منظرِ حق، منظرِ خلق
 محمد سیدِ اولادِ آدم !
 محمد سیرِ حق، رمزِ الہی !
 شریعت میں محمد بندۂ حق !
 انا میں نور سے اے عبدِ قادر
 محبوبِ کھلم ہے خدایار ہوں تیرا
 مولج میں ہر محبت سے آتی تھی آواز
 دے بخش گناہوں کو سبھی عبد کے یار

حضرت افضل کد پوی

سید شاہ جمال الدین اکمل (متوفی ۱۲۷۷ھ) کے بڑے صاحبزادے اور جامی دکن
 حضرت شاہ کمال قدس سرہ (متوفی ۱۲۶۴ھ) کے پوتے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۴۹ھ
 (بارہ سو انچاس) میں ہوئی۔ خاندانی رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت
 اکمل کے زیرِ نگرانی مکمل ہوئی بعد ازاں مزید تعلیم کی خاطر حضرت افضل مد
 تشریف لے گئے۔ مدراس میں استاذ العلماء حضرت علامہ غلام قادر مدراسی ابن
 محمد فاخر گوپاموی (متوفی ۱۲۹۳ھ) مصنفِ صراطِ الاسلام و ضوابطِ فرقان،
 و کلماتِ صوفیہ وغیرہ مسجد والا جاہی (جامع مسجد) کے صحن میں طلبۃ العلوم کو
 مطولات کا درس دیا کرتے تھے، جس کا دور دورِ تنک چیر جاتا تھا۔ لہذا حضرت افضل
 بھی آپ ہی کے حلقہٴ درس میں شامل ہو گئے۔ حضرت افضل مدراس کی تعلیم سے اپنے
 والد کے وصال سے پہلے ہی نہ صرف فارغ ہو چکے تھے بلکہ والدِ بزرگوار کی اجازت و خلافت
 سے بھی آراستہ و پیراستہ ہو گئے تھے اور بعد کو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ

فقیر محمد الدین مقبل (۱۲۶۱ھ - ۱۳۴۶ھ) کی تعلیم و تربیت کا بھی بیڑا اٹھایا تھا ۴۷

یہ ممکن ہے کہ جنوب کی مایہ ناز قدیم دینی درس گاہ مدرسہ باقیات صالحات ویلور (قائم شدہ ۱۲۷۹ھ) کے مؤسس و بانی حضرت شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری قدس سرہ خلیفہ حضرت قطب ویلور (۱۲۶۷ھ - ۱۳۳۷ھ) حضرت افضل کے شریکِ درس و ہم جماعت رہے ہوں۔ کیوں کہ بانی مدرسہ باقیات نے بھی ویلور میں ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بغرض اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ میں مدراس کا سفر فرمایا اور حضرت علامہ غلام قادر مدراسی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچ کر زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ حصول تعلیم کے سلسلہ میں پورے سات سال مدراس میں قیام پذیر رہے، اس طرح دیکھا جائے تو حضرت بانی حضرت افضل سے صرف دو سال بڑے تھے اور دونوں کا قیام مدراس میں ایک ہی زمانے میں تھا اور دونوں ایک ہی استاد حضرت علامہ غلام قادر مدراسی کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ حضرت افضل کے دیگر اساتذہ میں دربارہ ٹیپو کے مشہور منجم منشی غلام حسین عاصی میسوری (متوفی ۱۲۸۸ھ) کا نام بھی تذکروں میں ملتا ہے ۴۸ آپ نے حضرت عاصی سے کب اور کہاں تعلیم حاصل کی اس کی تفصیل موجود نہیں۔ ممکن ہے کہ آپ میسور پہنچ کر منشی منجم سے اکتساب فن کیا ہو۔

حضرت افضل علم ریاضی، علم نجوم اور ہندسہ کے ماہر تھے چنانچہ ”مفید الاطفال“ کے نام سے تین صفحات پر مشتمل ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ جس میں اسمائے الہی، اوامر و نواہی کے ساتھ علم ریاضی اور علم جمل کو بچوں کے لیے سہل اور کارآمد طریقے پیش کیا گیا ہے۔ بہر حال آپ کی شخصیت شیخ کامل اور علامہ وقت کی تھی۔ آپ راہ شریعت پر سختی سے گامزن رہتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ رنج و غم کی محفلیں ہوں یا مسرت و شادمانی کے مقامات ہمیں بھی کوئی غیر شرعی کام دیکھ لیتے تو فوری کسی کا لحاظ و پاس کئے بغیر اسی مقام پر ڈانٹ دیتے اور اس کی اصلاح فرما دیتے۔ اور لوگ آپ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر بدعات و خرافات اور گمراہیوں کا اپنے قول و قلم سے ڈٹ کر

مقابلہ فرمایا۔ چنانچہ آپ نے علمائے ہمدوبہ کے سوالات و اعتراضات کا تشفی بخش اور مُسکِت جواب ہی نہیں دیا بلکہ اس تعلق سے ایک کتاب ”ہادی غیر مہدی“ بھی تصنیف فرمائی جو نظم و نشر کے چھپنے صفحات پر محیط ہے۔ ۱۲۹۲ھ میں مطبع محمدی بنگلور سے شائع ہو چکی ہے۔

آپ ایک خوش الحان قاری بھی تھے اور علم تجوید کے نامور معلم بھی، آپ نے اس فن میں بھی ”روح التجوید“ کے نام سے مختصر رسالہ ترقیم فرمایا، جس کو آپ کے خلیفہ حضرت شہمیر (ثالث) نے اپنی کتاب ”منازل المصحف“ کے ساتھ شائع کیا۔

”خطبات افضل“ آپ کی منظوم تصنیف ہے، جس میں جمعہ اور عیدین کے خطبے، حکایات و قصص اور پند و نصائح کے پیرائے میں آسان زبان میں منظوم کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے جدِ امجد حضرت شاہ کمال کی تصنیفات و تخلیقات کو ایڈٹ کر کے شائع فرمایا ہے۔ چونکہ آپ کو شاعری وراثت میں ملی تھی لہذا فارسی اور اردو میں آپ کے کلام کی موجودگی ناگزیر ہے۔ آپ کے نایاب کلام میں سے فارسی کے علاوہ اردو غزلیں، مثنویاں اور محمّس دستیاب ہوئے ہیں۔ آپ کی ایک مشہور نظم ”مناجاتِ وبا“ آج بھی ہر کمر و مہر کی زبان پر جاری ہے۔ اس کی شانِ نزول کے تعلق سے یہ روایت حدِ توانِ تر کو پہنچ چکی ہے۔

شہرِ کڈپہ میں ایک مرتبہ شدید ہیضہ پھوٹ پڑا جس کی وجہ سے سینکڑوں انسانی جانیں تلف ہونے لگیں۔ معتقدوں نے حضرت افضل سے دُعا کی درخواست کی۔ حضرت نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر دُعا فرمائی اور دفعِ وبا کا عمل بھی کیا۔ خدا کی شان کہ وبا ایک دو دن میں ہی ختم ہو گئی اور خلقِ خدا اس کی ہلاکت خیزی سے محفوظ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے ”مناجاتِ وبا“ لکھ کر لوگوں کو سنائی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ آج بھی جب کبھی شہر میں ہیضہ آتا تو ہر محلّے سے نعتِ خواں ”مناجاتِ وبا“ پڑھتے ہوئے آپ کے آستانے پر جمع ہوتے ہیں اور آپ کے وسیلے سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دُعا کرتے ہیں تو فوری خدا کے

فضل سے یہ ویاہر سے اس طرح غائب ہوتی ہے جیسے کبھی آئی نہ ہو۔ اس مناجات کے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

از پئے مصطفیٰ و با سے بچا	ہم کو یا ربنا و با سے بچا
وز پئے مرتضیٰ و با سے بچا	بہر لو بکر ہم عمر عثمان
از پئے فاطمہ و با سے بچا	یا الہی پئے حسین و حسن
بہر خمیر النساء و با سے بچا	از پئے زینب شہزاد
صدقہ انبیاء و با سے بچا	اولیاء اور اصفیاء کا طفیل
بہر آلِ عبا و با سے بچا	سب کے اوپر اڑا کر مکی ردا
ربنا ربنا و با سے بچا	آل و اصحاب مصطفیٰ کے لئے
ہم کو اس لاد و با سے بچا	ہے عجب لاعلاج بیماری
لی ہے شکل و با و با سے بچا	شامت اعمال کی ہماری ہے
دے اماں از زنا و با سے بچا	ہو گئی ہے بہت زنا کاری
جن سے آوے و با و با سے بچا	رکھ ان افعال سے ہمیں محفوظ

خمس کے چند بند پیش ہیں :-

وصف شاہِ دین کا ہے آہستہ آہستہ کروں	ذکرِ پیغمبر کا ہے جلدی نہیں حاشا کروں
صبح سے لے تا عشاء ہر بند یوں پورا کروں	ہر نماز فرض پڑھ کر مصرع اک ادا کروں
بعد ظہر و عصر کے ہر دور خسار میں	یوں نمازِ صبح سے فارغ کروں ذکرِ جمیع
جب عشاء پڑھ لوں تو لکھو شرحِ زلفِ عربی	اور پس مغرب شفق کو لب میں لب کھو عربی
بعد فرض پنجگانہ ورد یہ اپنا کروں	

چند متفرق اشعار درج ذیل ہیں :-

نام خود حمد سے مشتق ہے تراصل علی	تو محمد ہے تو محمود و راصل علی
توقیم اور نہ حادث ہے تراصل علی	طور کچھ اور ہی تیرا ہے نیاصل علی

افضل الحق ہے تو ہے بعد خدا صل علی

عاجز نمی تیری ثنا سے ہے تناصل علی

قطعه: ۵

زندگی ہے جباب کی مانند

ہر رواں عمر آب کی مانند

حال دنیا ہے خواب کی مانند

خالی و بے حصول و یاد بدست

بہار جو ترے رخسار کے چمن میں ہے

• نہ دُرد میں ہے نہ لالہ میں نہ سمن میں ہے

جو بخت اس شہد کو نین کے بدن میں ہے

• نہ زعفران میں نہ ہے مشک میں نہ غبریں

اتر ہزار مسیحا کا ہر سخن میں ہے

• ہے نور صدید بیضا کا ہر کف پا میں

نہ کوئی قدرتِ خلاقِ دو المن میں ہے

• صفات و ذات میں تیرا عدیل اور مانند

کہ لفظ صل علی کا ہر اک دہن میں ہے

• کبھی بھول و طیفہ درود کا افضل

ہونے لگی بلند صدا اَلْحَمْدُ کی

• بار سفر زمیں پہ دھرتے بھی ہم نیلے

آپ کی شاعری میں ایک طرح کی لوچ اور در و دل کی ٹپکا محسوس ہوتی ہے

زبان پاکیزہ اور بے عیب ہے۔ حضرت افضل کا ایک غیر مطبوعہ خط بطور نمونہ یہاں

پیش کیا جا رہا ہے۔ جسے آپ اپنے خلیفہ خطیب محمد اکبر صاحب کڈپوی کے نام تحریر

فرمایا تھا:-

”تسمیہ و حمد و نعت و سلام سنت کے بعد معلوم ہووے کہ ہم بفضل

تعالیٰ محل میں بخیر ہیں اور خیریت آپ کی مطلوب ہے۔ صبحی مد نیکی کو روانہ ہونے

کا قصد ہے۔ ہمارے قصائد خطبوں کے ہو یا نعت کے آپ کے پاس جو کہ ہیں،

سب یک کاغذ پر بار یک خط سے لکھ کر جلد روانہ کریں۔ مد نیکی والوں کو اس کی بڑی

خواہش ہے اور میں سب قصائد کا جزدان بھول کر آگیا۔ برخوردار سید نذر اللہ

زاد علمہ کی طرف سے بھی سلام پہنچے۔ پوچھے سو صاحبوں کو ہمارا سلام بولنا

اور غیبو صاحب کو سلام بول کر گھر پہ بہت نظر رکھو بولنا۔ ۵ رجب ۱۳۰۸ھ

راقم آثم علی مراد شاہ عفی عنہ از محل

(۹) نقالی یہ خط کرپے میں موجا بازار میں استاذ اکبر صاحب سلمہ کو دینا۔

خطیں مذکور حضرت سید نذیر اللہ شاہ بھی آپ کے خلیفہ تھے، جو حضرت سید شاہ نور اللہ بخاری نور کڈپوی کی اولاد سے تھے۔

حضرت افضل کے ہزاروں معتقدین و مریدین تھے، راقم الحروف کے والد ماجد حضرت الحاج ٹی یوسف نانک صاحب، وظیفہ یاب تحصیلدار کڈپہ (متوفی 13 جولائی 1992ء) فرمایا کرتے تھے کہ راقم کے دادا حضرت ٹی۔ پیر نانک (متوفی 1947ء) ابن بابا نانک بن سلطان نانک بھی حضرت افضل کے مرید تھے اور آپ نے اپنے شیخ کے ہمراہ کئی سال گزارا تھا اور اسفار میں بھی آپ ساتھ رہا کرتے تھے، حضرت پیر نانک کا مزار قصبہ لکڑی ریڈی پٹی راجپوٹی تعلقہ میں ہے۔ وہاں آپ کا عرس بڑے عقیدت سے منایا جاتا ہے۔

حضرت افضل کا روضہ شریف ہیر داؤد خانی کے کنارے حضرت سید شاہ نور اللہ بادشاہ کے قریب جو ترے پر ہے۔

آپ کا اسم گرامی حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری

حضرت خواجہ مخدوم کڈپوی

معروف بہ خواجہ سید شاہ مخدوم اللہ (اول) تھا۔ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ سید شاہ ید اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری (۲۷۱ھ - ۲۵۳ھ) اور آپ کے جد امجد حضرت خواجہ سید شاہ امین اللہ چشتی القادری قدس سرہ (متوفی ۱۱۹۱ھ) تھے۔ حضرت خواجہ مخدوم خانوادہ عارفین کے چشم و چراغ، عالم و فاضل، صوفی صاحب دل، عارف بے بدل اور ادیب و شاعر تھے۔ عہد طفولیت ہی سے آپ کی ذکاوت و فراست اور ذہانت و بصیرت کے چرچے اہل خاندان میں ہونے لگے تھے۔ بقول پروفیسر سید عباس مرحوم: ”حضرت مخدوم اللہ کو بچپن سے علوم دین حاصل کر لے کر عاشق تھا۔ جب آپ آستانے کے مدرسہ میں تعلیم پاتے تھے، اس وقت عجیب و غریب سوالات سے اپنی ذہانت کا ثبوت دیتے تھے۔ ایک دن آپ نے اپنے استاذ حضرت منگل خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک کے حروف مقطعات سے متعلق سوالات

کئے اور عجیب انداز میں اُن کے رموزِ استاذ کے سامنے بیان فرمائے۔ دورانِ تعلیم آپ نے ہادی اور مہدی کے معارف کچھ اس طرح بیان کئے کہ آپ کے استاذ محترم بہت متاثر ہوئے۔ مختصر مدت میں آپ نے علمِ فقہ، علمِ حدیث اور علمِ تفسیر میں بہت عبور حاصل کیا۔ اور ایک بلند مرتبت عالمِ دین بن گئے علیہ السلام۔

حضرت خواجہ مخدوم نے علمِ تصوف کی تکمیل اپنے والدِ بزرگوار سے کی اور بعد کو خرقہٴ خلافت سے سرفراز کئے گئے۔ آپ کو سیاحی کا بہت شوق تھا۔ لہذا سفرِ مدراس کے زیادہ مواقع نکل آتے تھے۔ علاوہ ازیں مدراس کے بابہ ناز مشہور و معروف شاعر ملک الشعراء شاہ محمد صادق الحسینی شریف مدراسی (۱۲۴۰ھ - ۱۳۲۲ھ) آپ کے خادم و خلیفہ تھے۔ آپ کا قیام شریف مدراسی کے قیام گاہ پر ہی رہتا تھا۔ آپ ایک بلند پایہ صوفی ہونے کی وجہ سے عوام و خواص کے لیے مرکزِ توجہ تھے۔ پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ مجددِ عصر شیخ الشیوخ حضرت مولانا سید شاہ محی الدین عبداللطیف نقوی دہلوری معروف بہ قطبِ دیورِ قدس سره (۱۲۰۷ھ - ۱۲۸۹ھ) جب کڈپہ تشریف لائے تو حضرت خواجہ مخدوم بھی حضرت قطبِ دیور کی مہمان نوازی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اس موقع پر حضرت قطبِ دیور نے آپ کی بزرگی و پرہیزگاری کی تعریف فرمائی علیہ السلام۔ بہر کیف آپ گونا گوں خوبیوں کے مالک تھے۔ آستانہٴ مخدومِ الہی کڈپہ کے سجادہٴ پنجم اور معمارِ جدید کی حیثیت سے آپ کا نام تاریخ میں روشن رہے گا۔

راقم الحروف کے پاس استاذ محترم مولانا مولوی محمد جعفر حسین صاحب باقوی فیضی صدیقی مدظلہ العالی کے دادا خسر حضرت مولانا عبدالقدوس صنووی دہلوری سره ۱۲۸۲ھ - ۱۳۶۵ھ کی بیاض امانت رکھی ہوئی ہے۔ جس میں آپ کے افرادِ خاندان کی تاریخِ ولادت و وفات، مختلف طبّی نسخے اور ادراد و وظائف مرقوم ہیں۔ اس بیاض سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت صنو حضرت خواجہ سید شاہید اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری ابنِ خواجہ سید شاہ مخدوم اللہ قدس سره کے مرید و خلیفہ تھے، مرشد ہی

بنے آپ کا طریق نام خواجہ شاہ ہدایت علی ہشتی قادری رکھا، بہر حال حضرت صونے اس بیاض میں اپنے دادا پیر حضرت خواجہ مخدوم اللہ کی چند غزلیں، نظمیں اور دس صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ”کلمۃ الحق“ جو خواجہ مخدوم نے اپنے دونوں فرزندوں کی تعلیم کے لئے تحریر فرمایا تھا، نقل کیا ہے۔ اسی سے آپ کی نظم و نثر کے نمونے پیش کئے جا رہے ہیں

منتخب اشعار: ۷

اے مؤحد مئے میں ہے کیا چیز، میخانے میں کون
کون ہے خم میں، سبویں، پیما نے میں کون
آنکھ میں ہے کس کی صورت اور دل میں کس کا نقش
کون ہے آئینہ خانے میں، سیا خانے میں کون
ہے الجھنا کام کس کا اور سلجھنا کس کا فعل

زلف میں ہے کون اے مشاطہ اور شانے میں کون

• یانہی مجھ کو دکھا چہرہ زیبا تیرا
• سر میں ہے روز ازل سے میرے سودا تیرا
• نہوگی مجھ سے کچھ تعریف تیری
• مرا متہ اور کہاں شان محمدؐ

بیاض صونے میں حضرت خواجہ مخدوم کی ایک مختصر مثنوی مسمیٰ بہ ”توحید نامہ“

شامل ہے۔ جس کے جملہ ابیات شتر ہیں۔ بعض اشعار ملاحظہ ہوں:۔ ۷

کردوں میں حمد پہلے کیر باکی
وہاں سے نعت ختم انبیاء کی
مچھڑ کو نہیں کہتا خدا میں
خدا سے پھر محمدؐ کب جدا ہیں
احد سے جلوہ احمد عیاں ہے
فقط یک تمیم گھونگٹ درمیاں ہے
اٹھا گھونگٹ ہے یکتائی ہویدا
جمال شاہد توحید پیدا
علیؑ عین محمدؐ ہیں بلا شک
کبھی ہوتے نہیں دونوں یتفک
علیؑ میں دیکھ جلوہ مصطفیٰؐ کا
نبیؐ میں دیکھ تو جلوہ خدا کا
ابا بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ
یہ چاروں ہیں خلافت میں برابر
بس اے مخدوم کتب تابِ بیاض
خیالِ عرضِ مطلب بیگماں ہے

اپنے پیرومرشد کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:۔۔۔

مرے مرشد ید اللہ ہے حسین
 کروں کس منہ سے میں تعریف اُن کی
 میں خادم اُن کا وہ میرے ہیں مخدوم
 کرامت اُن کی ہے عالم پر مفہوم
 آپ نے اپنے برادر عزیز خواجہ سید شاہ عارف اللہ حسینی عرف نوشاہ صاحب
 پیر کا ذکر فرمایا اور اُن کی خدمات کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔۔۔

عیاں یہ راز ذی توقیر سے ہے
 منور کد پہ صاحب پیر سے ہے
 آپ کی غزل پر آپ کے خلیفہ جناب شریف مدرسی نے تصنیف بھی ہے جس
 کے پانچ بند ہیں۔ اور یہ نظم خمس کی ہئیات میں ہے۔

اب یہاں رسالہ ”کلمۃ الحق“ کا ابتدائی حصہ بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے
 ”اما بعد فقیر حقیر خاکسار سید شاہ مخدوم حسینی چشتی القادری ولد جناب
 عارف جامع المعارف زبدۃ الکاملین، عداۃ المحققین حضرت خواجہ سید شاہ ید اللہ حسینی
 محمد الحسینی چشتی القادری بنظر ضرورت تعلیم فقیر نادگان یعنی خواجہ سید شاہ عارف اللہ
 محمد الحسینی چشتی القادری وخواجہ سید شاہ ید اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری مد
 اللہ تعالیٰ عمر ہمایہ چند اوراق متضمن تحقیق معانی کلمات کلمہ لکھ کر نام اس کا کلمۃ الحق
 رکھا۔ تکلف برطرف، مطلب صاف ہے، تکلف استدلال معاف ہے۔“

آپ کا وصال ۱۳۱۲ھ میں ہوا۔ مدفن اندرون احاطہ آستانہ مخدوم
 الہی کڈ پہ ہے۔ جو آماجگاہ زائرین بنا ہوا ہے۔

اس مشہور آستانہ کے موجودہ نشین محترم خواجہ سید شاہ
 ابن اللہ محمد محمد الحسینی چشتی القادری مدظلہ العالی ہیں۔

آپ کا اسم گرامی حضرت سید فقیر
 محی الدین بادشاہ بخاری قادری اور

حضرت مقبل میسوری

تخلص مقبل تھا۔ آپ نے اپنے تخلص کے تعلق سے بہت ہی نکتہ رسی کی بات کہی ہے۔۔۔
 ذیل غم روئے قلق، فرق مکا، قلب الم
 انھیں حرفوں سے مرکب ہے تخلص اپنا

آپ کی ولادت قصبہ محل میں جو اس وقت علاقہ کڈپہ میں شامل تھا اور آج ضلع چتور میں داخل ہے، ۱۲۶۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی نشوونما محل ہی میں آپ کے والد ماجد حضرت اکمل کی آغوش تربیت میں ہوئی اور والد کے رخصت ہو جانے کے بعد بھائی شاہ افضل (متوفی ۱۳۱۸ھ) جو آپ سے بارہ سال بڑے تھے، آپ کے والی و سرپرست بن گئے۔ بقول محمد سخاوت مرزا، ابھی آپ (شاہ مقبل) پندرہ سولہ سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بڑے بھائی شاہ افضل کے ہاتھوں تعلیم و تربیت پائی۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا اور انھیں کے مبارک ہاتھوں سے خرقہ خلافت پہنا۔ علاوہ تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض خاندانی وجوہ کی بنا پر شاہ افضل اپنے بھائی شاہ مقبل کو ساتھ لے کر میسور چلا گئے، جہاں آپ کے جدِ امجد حضرت شاہ کمال کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ (شاہ کمال سلطان ٹیپو شہید (۱۲۱۳ھ) کی دعوت پر سری رنگ پٹن تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ قیام پذیر رہے۔ جس کے سبب کثیر تعداد میں لوگ آپ کے معتقد و مُتَرشد ہو گئے تھے، میسور میں کئی سال رہنے کے بعد شاہ افضل اپنے بھائی داما د حضرت سید قادر بادشاہ عبد کے راہی ملکِ عدم ہونے کی خبر سن کر ۱۲۸۸ھ میں کڈپہ تشریف لائے اور یہیں پیوندِ خاک ہو گئے۔ مگر شاہ مقبل نے میسور ہی میں توطن اختیار کر لیا اور وہیں زندگی بھر تبلیغ و اشاعت اور رشد و ہدایت کا کام سرانجام دیتے ہوئے پچاسی سال کی عمر میں ۱۳۴۶ھ میں اس دایرہ فانی سے کوچ کر گئے۔ چونکہ آپ کا زیادہ تعلق میسور سے رہا ہے اور علاقہ کڈپہ سے کم۔ اس لیے دیگر تفصیلات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آپ کی نظم و نثر کے چند نمونوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

متفرق اشعار:

کہتا ہوں غمِ نبی کی لغت ہر روز مزے اڑا رہا ہوں
صبا و کا خطر نہ مجھے بیمِ دام کا باغِ زمیں پہ لیلِ رنگِ پریدہ ہوں
ایا کبھی جو بھول کے رستہ وہ گلِ ادھر
نیوری چڑھائی بھول کے بد لے فرار پر

پھینکتا توڑ کے دیوانہ ترا پاؤں سے شک نہ ہوتا تری زلفوں کا جو نہجیروں پہ

دہنِ زخمِ دل اس گل نے جو دیکھا مقبل

ہنس کے بولا کہ پڑا ہے گلِ تر میں سوراخ عک

شاہِ مقبل صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ نے اپنا دیوان خود ہی ترتیب دیا

تھا۔ جو ابھی تک غالباً کسی ”مردِ غیب“ کا منتظر ہے۔ آپ کی ایک نظم ”مسدس“ سرایا ہے

”رسول“ بے حد مقبول ہوئی جس کے کئی ترانہ بند ہیں اور جو ”عاشق“ میں مطبع

”فخر المطالع“ لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ یہاں چند متفرق بند درج کئے جاتے ہیں:

کیوں نہ بے ظل ہو کھلا قامتِ محبوبِ خدا
نورِ اقدس ہے فقط صلی علیٰ صلی علیٰ

سایہ پیدا نہ کیا جانِ جہاں حضرت کا
کیونکہ ثابت ہو دوئی غیر نہ ہو جیبا صلا

شکلِ محبوب سے عاشق ہے ہویدا دیکھو

حضرتِ عشق کی غیرت کا تقاضا دیکھو

فکرِ غواص ہے دریا مری طبعِ موزوں اس کو کیونکر نہ ملیں درِ یتیم مضمون

درجِ تمثیل میں ہے برہنہ ہر رے کھوں صرفِ قلزمِ والنجم کے درِ مکوں

سلکِ دندان ہے کہ دندانہ سینِ یاس

یادِ رخسار ہیں یہ انجمِ جبرخِ طلس

قدرتِ حق کا دکھاتا ہوں تماشا دیکھو چہرے میں کثرت و وحدت کا ہے جلو اکیہ

منہ تو ہے ایک مگر اس میں ہے کیا کیا دیکھو بینی و چشم و لب و ابرو نہیبا دیکھو

سر بہ سر دیکھو تو کثرت ہے عیاں وحدت میں

سچ اگر پوچھو تو وحدت ہے نہاں کثرت میں

شوق کیا آپ نے انگلی سے فلک پر جو قمر ہوئے انگشتِ بلب و لیکہ کے سب پیغمبر

دستِ روشن پہ پڑی حضرت موسیٰ کی نظر یدِ بیضا کو چھپا لینے لگے شرابا کر

دستِ مخلوق کو اس ہاتھ سے لگا کیا ہے

یدِ بیضا کو یدِ اللہ سے دعویٰ کیا ہے

مقبل اب یہ دل سودازدہ رکھتا ہو رجا گرم بازاری ہو جب حشر کا، فرمائے خدا
یہ سراپا مرے محبوب کا ہے بیش بہا مولیٰ اللہ نہیں ساری خدائی جس کا
نقد رحمت کا لے گنجینہ یہ حلیم ہمیں دے

عوض دولت دیدار، سراپا ہمیں دے

آپ کی شاعری نازک خیالی، جوش اور جذبہ کی شاعری ہے، زبان و بیان کی حلاوت ایک طرف کانوں میں رس گھولتی ہے تو پر شکوہ الفاظ کی گھن گرج ذہن و دل کو مرغوب و مسحور کر لیتی ہے۔ آپ کو شاعری میں حضرت افضل سے شرف تلمذ حاصل تھا استاذ نے آپ کے ابتدائی کلام کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ”مقبل کا کلام آئندہ چل کر اس قابل ہو گا کہ موتیوں میں تو لاجائے گا“ ۹۷ء

شاہ مقبل کی ایک کتاب ”گلدستہ معارف“ جو اکتیس صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۱۵ھ میں تصنیف کی گئی ہے۔ راستانہ شہمیرہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ مذکورہ کتاب سے نثری نمونہ ملاحظہ ہو:-

”اما بعد جاننا چاہیے کہ یہ موردِ قصور و قاصی سید فقیر محمد الدین مقبل چشتی قادری عفی عنہ نے واسطے افاضت و افادہ طلباء کے چاہنے سے چند احباب کے حضور بیان تصوف کے مسائل کا لکھا، ”گلدستہ معارف“ نام اس کا رکھا، اگر سہو و نسیان سے اس میں کہیں غلطی وقوع میں آوے، ہر محقق ناظر سے یہ توقع ہے کہ عیب پوشی کرے لعنت سے باز رہے یا اصلاح فرماوے۔۔۔۔“

حضرت سید شاہ عبدالحق بخاری قادری

المعروف بہ شہمیر بادشاہ فرزند حضرت عبد

حضرت شہمیر ثالث (کد پڑہ)

کد پڑی (متوفی ۱۳۱۵ھ) و نبیرہ حضرت شاہ جمال ثانی (کد پڑی (متوفی ۱۲۶۴ھ) عالم و فاضل اور عابد و زاہد شخصیت کے مالک تھے۔ آپ علم شریعت کے حامل اور علم تصوف میں کامل بزرگ تھے۔ ابتداء تعلیم و تعلم کا سلسلہ والد ماجد کی وفات حشرت آیات تک انہیں کے سایہ عاطفت میں جاری رہا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف صرف

تیرہ برس کی تھی، بعد ازاں جب حضرت شاہ افضلؒ متوفی ۱۳۱۸ھ) آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے بنگلور سے کڈپہ تشریف لے آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تو تعلیم و تدریس کا مشغلہ نہ صرف دوبارہ جاری ہو گیا بلکہ تیزی سے منازلِ آگہی طے کرنے لگا۔ چنانچہ آپ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام علوم متداولہ سے بہرہ مند ہو گئے، حتیٰ کہ آپ نے حضرت حکیم حاذق مولانا سید حسین صاحب عرف سید صاحب (۱۲۳۸ھ - ۱۳۲۷ھ) سے بھی علم طب میں کمال حاصل کیا۔ آپ کو خوش نولیس سے بھی رغبت تھی، لہذا آپ نے اپنے اجداد کی کتابیں نقل کیں، حضرت شاہ افضلؒ نے داعی اجل کو لبیک کہنے سے پیشتر ۱۳۰۹ھ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا، آپ نے دنیا کے سرد و گرم دیکھے، تنگ دستی میں صبر کیا اور فراغ حالی میں خدا کا شکر بجالایا۔ آپ نے اپنے وصیت نامے میں جو ۱۳۵۲ھ میں تحریر کیا گیا تھا اپنے نو زنظر (حضرت سید قادر علی بادشاہ شہمیری مدظلہ العالی) کو طویل و مائثر نصیحت فرمائی تھی۔ اس کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ آپ کے علمی و ادبی مقام کے تعین میں مدد مل سکے۔

و اے فرزندِ ارجمند خدائے تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ ہمارے آبا و اجداد نے ہمارے لئے کوئی جاگیر اور کوئی میراث یا کوئی منصب دنیوی نہیں چھوڑا، لیکن باطنی میراث چھوڑ گئے ہیں اور وہ معرفتِ حق تعالیٰ ہے تو اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کو حاصل کریں ورنہ ہم کیا ہیں صرف ایک حیوانِ ناطق ہیں۔۔۔۔۔۔ اپنے اور پرانے پر کبھی بھروسہ نہ کرو، صرف اپنے خالق اور رزاق پر کامل یقین اور بھروسہ رکھو اور سچے اخلاص کے ساتھ حضرت پیر و مرشدِ نانا صاحب قبلہ (شاہ افضلؒ) کے بتائے ہوئے اوراد کو ہمیشہ پڑھا کرو اور جو کچھ مانگنا ہے اپنے خالق سے مانگو۔ بفضلِ خدائے عز و علا و بہ طفیل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وسلم ابداً یقیناً کسی کے محتاج نہیں رہو گے اور خلق اللہ سے ضرور بے پروا ہو جاؤ گے۔“ غنہ بہر حال آپ اپنے عہد کے شیخِ طریقت، مبلغ و مُضلع اور مشہور شاعر و ادیب تھے۔

طبیعت کی موزونی، ذہن کی طباعی اور ذوقِ سلیم کی فطری رہنمائی نے آپ کو اپنے دور کے قابلِ ذکر شعراء میں ممتاز مقام بخشا تھا، تاہم آپ اپنے نانا، مشفق استاد اور پیر مرشد حضرت شاہ افضل کی خدمت میں اپنا کلام پیش کرتے اور اصلاح لیتے تھے، آپ کی شاعری اپنے ابا و اجداد کی طرح خاص رنگِ تصوف میں ڈربی ہوئی پہاڑی ندی کی مانند لوں میں اپنا راستہ بناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ حضرت شہمیر کی شاعری کا سکہ عشقِ حقیقی و حُبِ نبویؐ کی ٹکسال میں ڈھل کر رائج الوقت بن گیا تھا۔ چنانچہ آپ کا دیوان ۱۳۳۸ھ میں پہلی بار طبع ہوا اور حسبِ توقع ہاتھوں ہاتھ لیا بھی گیا، بعد ازاں وہی دیوان شاہمیرؒ اضافہ کے ساتھ جو کہ تقریباً ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل دو سو سولہ صفحات پر محیط عمدہ کاغذ اور نفیس طباعت سے آراستہ تھا ۱۳۶۹ھ میں شائع ہوا۔ اس دیوان کا پیش لفظ خود حضرت شہمیرؒ (ثالث) کے فرزند ارجمند نے تحریر فرمایا تھا۔ تعارف نامہ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ تھا اور مؤلف شہمیری اولیاء حضرت حکیم محمود بخاری مظلمہ نے حضرت شہمیرؒ کی سوانح تحریر کی تھی، الغرض دوسرا ایڈیشن بھی بہت جلد ختم ہو گیا اور ایک مدت سے ہنوز تشنگی و طلب باقی ہے۔

مذکورہ دیوان میں سے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں :-

خود اُنْتُ اَنَا اس کے لیے حق تے ہما ہے	کیا مرتبہ شاہِ رسلؐ صلّ علی ہے
از روئے وجودی احمد کو نہ کہنا	یہ قول تو ایک ظلم ہے اور سخت جفا ہے
کچھ رتبہ احمد وہی سمجھا ہے کہ جس نے	قرآن میں ”ماکان محمدؐ“ کو پڑھا ہے
برق اور ستاروں کی یہاں کیا ہے حقیقت	لا ریب ہاں آپ کا اک ناخن پایا ہے
خورشیدِ پرنوار کو اے مہرِ نبوت	تشیہ جو دوں تیرے کف پائے خطا ہے

• شہرِ وحدت سے تماشے کے لئے شاہِ ازل

ابھی تو آیا ہے کثرت کے یہ ویرانے میں

آب و تابِ دردِ ندانِ نبیؐ صلّ علی

نہ زمر دین نہ ہیرے میں نہ دردِ دانے میں

میری تقدیر کا لکھا ہوا قصہ سن لو

لطف ایسا نہ ملے گا کسی افسانے میں

ہیں کسیر سے کم خاک میری بعد مر دن بھی !

تمہاری آتشِ غم میں جلا ہوں یا رسول اللہ

تمہارے آستان سے اٹھ کے اب جا نہیں سکتا

تمہارا ہوں، بُرا ہوں یا بھلا ہوں یا رسول اللہ

سب ہیں بنا، نہیں کوئی بھی بنا اپنا بے بصر جیتے ہیں کس کام کا جینا اپنا

نذر دینے کے لئے نقدِ دل و جان لے کر تیرے دربار میں شہ میر پر اربان آیا

آئے تھے ہم عدم سے جاتے ہیں پھر فانیں شہ تیر کو چھپے ہیں، کیوں آ کے جارہے ہیں

مرنے کا کسی طرح نہیں خوف اے شہ میر خوش خوش ہی چلے جائیں گے ہم اپنے وطن کو

کہیں "شہ" وہ جانا ہے شہ میر دیکھو کوئی جا کے جلدی بلانا ، بلانا

طالع ہیں اوج پر مرے اے شاہ میر آج

خود یار آ کے گھر مرے مہمان ہو گیا

آپ کا تخلص شاہ میر تھا جیسا کہ مذکورہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے اور

یہ تخلص آپ کے پیرومرشد کا عطا کیا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے مرشد کی تعریف اس طرح

کی ہے۔۔۔

پیر افضل کا جودل سے خادم بنا وہ تو ہر جائے میں حق کو پاتا رہا

حضرت شہ میر کے دل میں اشاعتِ حق، اصلاحِ معاشرت اور قوم کی تعلیم و تربیت کا

غذیہ موجزن تھا۔ اسی لیے آپ نے تکمیلِ مقصد کی خاطر نہ صرف نظم بلکہ نثر کا بھی خوب

استعمال فرمایا۔ چنانچہ کئی کتابیں آپ کی نوکِ قلم سے معرض وجود میں آئیں جس سے

لکھو کا انسانوں کو نورِ عرفان و تجدیدِ اقیان نصیب ہوا اور سادہ لوح مسلمانوں کو

صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی کے ساتھ گامزن رہنا سہل ہو گیا۔ جیسا کہ آپ کی معرکہ

آراء تصنیف "حقیقتِ محمدیہ" کے مطالعہ سے روشن ہوتا ہے۔ یہ کتاب جو

چار ابواب ”حقیقت محمدیہ“، ”ہدیہ صوفیہ“، ”گلدستہ نعتیہ“ اور ”فتاویٰ علمائے سنیہ“ پر مشتمل ہے، علم کلام اور عرفان تام میں اپنے طرز کی عمدہ کتاب ہے۔ دوسو بیس صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۳۲۵ھ میں مطبع فردوسی، مدراس میں طبع ہوئی ہے۔

آپ کی دیگر تصانیف میں ”فضائلِ توبہ“ ہے جو رائل سائنسز کے باون صفحات پر محیط ہے اور مطبع فردوسی مدراس سے شائع ہوئی ہے۔ جس میں سن اشاعت درج نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کی ایک اور کتاب ”گلدستہ اشرف العالمین“ درود شریف کے فضائل و مسائل میں تحریر کی گئی ہے اور یہ ۱۳۳۲ھ میں مطبع نامی مدراس سے چھپی ہے۔ اس کے جملہ صفحات چوالیس ہیں۔ آپ نے اپنے تحت جگہ نورِ نظر کی ابتدائی تعلیم کے لیے ایک رسالہ مسٹی ”لصاب نصیحت“ ارقام فرمایا تھا۔ جس میں اطفال کے لیے پند و نصیحت ہے۔ انہی صفحات کا یہ رسالہ مطبع فردوسی مدراس سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے قرآنیات پر مشتمل تینیس صفحات کا مختصر رسالہ ”منازلِ مصحف“ کے نام سے رقم فرمایا ہے جس میں اپنے مرشد حضرت افضل کار سالہ ”روح تجوید“ بھی شامل ہے۔ یہ کتابچہ مطبع نامی مدراس سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہو کر کافی مقبول ہوا ہے۔ بہر حال آپ کی تمام زندگی اسلاف کا نمونہ اور اخلاف کے لیے ہدایت کا نثرینہ تھی۔ آپ کی اولاد میں بقیۃ السلف حضرت مولانا سید شاہ قادر علی بادشاہ شہمیری قادری مدظلہ العالی بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔

آپ بھی اپنے اسلاف کی طرح شاعری سے شغف رکھتے ہیں اور قادرِ تخلص فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار کے انتقال پر لال (۳) رمضان شریف ۱۳۵۴ھ بروز شنبہ کے موقع پر ایک تاریخی قطعہ کہا تھا جو مسجد شہمیریہ کے روبرو واقع حضرت شہمیر (ثالث) کے مزار شریف کے لوح پر کندہ ہے۔ ملاحظہ کے لیے ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

پاک و پاکیزہ طیب و طاہر
عالمِ دین، حدیث کے ماہر

واقعہ سرِ باطن و ظاہر
سالک مسلکِ رسولِ انا

عارف منزل سلوک و حضور دین و آل رسولؐ کے ناصر
ہر بلا پر تھے شکر کے سجدے اللہ اللہ وہ صابر و شاکر
سچ تو یہ ہے وہ حق شناس تھی ذات کیا کوئی مدح کر سکے شاعر

سالِ ترحیل حضرت شہمیر
”مظہر معرفت“ کہو قادر

35 ع 19

حضرت شاہ قادر کی نرینہ اولاد میں چار صاحبِ زارے ہیں۔ اول عالی جناب
حکیم حضرت سید شاہ عبدالحق شہمیری، دوم عالی جناب سید شاہ حسین بادشاہ شہمیری
ایم لے؛ ایم فل؛ سوم حضرت سید شاہ احمد پیر شہمیری رشادی ایم لے؛ اور چہارم
عزیز القدر سید اجمل قادری عرف شہمیر بادشاہ مد اللہ ظلہم۔

اسم گرامی غلام غوث خان سوائی عریاں

کڈپوی، ولد جناب شاہ عالم خان سوائی

حضرت عریاں کڈپوی

افغان قبیلوں میں سے ایک مشہور و معروف قبیلہ سوائی سے آپ کا تعلق تھا۔ آپ کڈپہ
کے متوطن تھے۔ تجارت آپ کا آبائی پیشہ تھا۔ آپ کے فرزند جناب شاہ عالم خان مسلم
لیگ کے لیڈر تھے اور حلقہ کڈپہ سے مدراس اسمبلی کے لیے بحیثیت رکن (M-L-A)

اس وقت منتخب ہوئے تھے جب کہ لسانی بنیاد پر صوبوں کی تقسیم نہیں ہوئی تھی اور
کڈپہ بدستور صوبہ مدراس کا حصہ تھا، آپ کو شاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھا کڈپہ
کا علمی و ادبی ماحول آپ کے شوق کے لیے ہمہیز کا کام دیا، اس وقت محلہ بُئی کوٹ
تمام شہر میں علمی و ادبی مرکز کی حیثیت سے ممتاز تھا۔ جہاں علمی و ادبی محفلیں سجتی تھیں

مشاعرے منعقد ہوتے تھے، عریاں کڈپوی بڑے ہی ذوق و شوق سے ان محفلوں میں
شریک ہونے اور اہل علم سے استفادہ کرتے رہے۔ مگر آپ کے جوہر اس وقت کھلے
اور شاعری کو جلا تب نصیب ہوئی جب کہ آپ تجارتی اغراض کے تحت مدراس میں سکونت
احتیاء کر لی تھی اور یہیں آپ نے نواب عبدالرؤف خان بہادر پر تو مدراسی (مستوفی

۱۹۲۶ء میں تلمیذ شریف الشعراء شریف مدرسی (متوفی ۱۳۲۲ھ) کی شاگردی اختیار کی۔ افسوس کہ آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات کا علم نہ ہو سکا۔ عربیوں صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ کا دیوان ۱۳۰۵ھ میں مطبع نظام المطایع مدراس سے شائع ہوا تھا دیوان کے اختتام پر جن شعرائے مدراس کے قطعات تالیف درج ہیں ان میں حضرت ضو، فصاحت، تبسم اور اساتذہ حضرت شریف مدرسی قابل ذکر ہیں۔ حضرت شریف مدرسی کا قطعہ بہت ہی بلیغ ہے جس میں آپ نے اپنے شاگرد پر تو اور ان کے شاگرد (عربوں) دونوں کی طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:-

نظم عربیوں پر تو است شریف دجہ حسن اساس عربانی
جامہ زیبی بنامہ عربیاں میکند اقتباس عربانی
مید ہر سال جلوہ نیرنگ پیش حسن قیاس عربانی

سخن بیزوال می زبید
بطراز لباس عربانی

۱۳ ۵ ۵

عربوں کی شاعری میں رعایت لفظی، محاورہ بندی، بجا نظر آتی ہے مضمون آفرینی اور تہ داری بہت ہی کم ہے، تمام شاعری عشق مجازی کی حامل ہے، لب و رخسار، زلف و کاکل، قد و قامت اور رنگ و بھمت ہی آپ کی شاعری کی کل اساس ہے لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ زبان و بیان کی بوقلمونی، سلاست و روانی اور تغزل کی چاشنی سے شاعری قابل توجہ ضرور بن گئی ہے۔ اشعار میں معیار کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اور تہذیب سے ساقط مضامین سے احتراز کیا گیا ہے۔ حالانکہ تخلص کی وجہ سے بادی النظر میں یہ گمان گزرتا ہے کہ کہیں شاعری اسم بامسمیٰ نہ ہو۔ بہر حال دیوان کے چیدہ چیدہ اشعار ذیل میں رقم کئے جا رہے ہیں:-

مرے جوش جنوں سے سینہ پھٹنے بیاباں کا

مرے نالوں سے زہرہ آب ہے شہر نیساں کا

• پر تو افکن ہے یہ جلوہ کس رخ پر نور کا
• بن گیا آئینہ انکارہ چراغِ طور کا
• روزِ دیوار کو بند اس نے جس دم کر دیا
• کھل گیا منہ اور اپنے زخم کے ناسور کا
• باعثِ صحرا فردی اس کی چشمِ مست ہے
• ہر پھیلے میں ہے نقشہ دانہ انگور کا
• ہو مقابل تیغِ ابرو کے تو غیرت سے وہیں
• سیدھ لے قاتل ہر اک خنجر کا خم ہو جا کا
• چھوڑے طائرِ دل کا کل بیچاں کُلیاں
• بیٹھے بیٹھے کہیں پا بندِ سلاسل ہو گا
• دیکھ لے چاند جو اس ماہِ لقا کی صورت
• شرم سے گھٹ کے بنے ناخن پا کی صورت
• نہیں زلفِ سیہ محبوب کے رخسار پہ لے دل

مگر کالے ہیں بہرِ پاسبانی گنجِ قاروں پر

نعتِ شریف کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

نظرِ شاید پڑی ہے عارضِ پُر نور پر تیسرے

نہاں ہے مدتوں سے ماہِ کنعاں یا رسول اللہ

بنایا مصحفِ رخسار کو اللہ نے آگے

کیا نازل ہے پھر تجھ پہ قرآن یا رسول اللہ

بچھوڑے گا قیامت میں کبھی دامنِ اقدس کو

کہاں جائے گا پھر یہ عبدِ عریاں یا رسول اللہ

اپنے استادِ محترم کا ذکرِ خیر دیوان کے آخر میں اس طرح کیا ہے :

نہ اترائے کیوں فیضِ پر تو سے عریاں کہ قابلِ ہونے نکتہ داں کیسے کیسے

یہاں حضرت عریاں کی شرکاً نمونہ آپ کے ایک خط کے حوالے سے دیا جا رہا

ہے۔ جو 26 فروری 1925ء کو مدراس سے حضرت مولانا ذوالفقار علی خاں ضیا

کے نام تحریر کیا گیا تھا۔

”محبی و مخلصی جناب مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب زادِ لطفہ“

تسلیم۔ مزاجِ مبارک؛ آپ رخصت حاصل کر کے چلنے کے بعد پانچ روز تک بخار سے طبیعت

عیلیل رہی اب بفضلہ تعالیٰ مزاج اچھا ہے۔ یہ خبر سن کر کہ عبد الرحمن خلیل نے انتقال کیا دل

کو درد اور سچ ہوا۔ چھ سات گنتی کے پرانے لوگوں میں سے جو باقی ہیں مرحوم بھی ایک تھے محلہ یونہی خالی ہوا جاتا ہے۔ افسوس ہے اُمید کہ آپ کے مکان میں جمیع خرد و کلاں اور محلہ (نبی کوٹ، کڈپہ) میں سب بفضلہ تعالیٰ مع الخیر و عافیت ہوں گے۔ یہاں دھوپ ایسی تھی جیسی کڈپہ میں ہے۔ راتوں کو ٹھنڈ بھی رہتی ہے۔ اُمید کہ عریضہ ہذا مطالعہ فرماتے کے بعد سب کی خیر و عافیت تحریر کر کے ممنون فرمائیں گے۔ یہاں سب بفضلہ تعالیٰ اچھے ہیں۔ شاہ عالم خان اور شرفیامیں کو کچھ کانبجیاں نمود ہوئی ہیں بخار بھی ذرا آیا ہے۔ آپ اس نظم کو ملاحظہ فرمائیں گے جو جناب میر حیدر علی صاحب نے قصیدہ کے طور پر اپنے شاگرد بالفور کے بنام تحریر کر کے دیا تھا۔ جس کو مدد ان کرنے کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور اب تو سوا جناب مولوی حکیم سید جمال اللہ بادشاہ صاحب آپ کی خدمت میں روانہ کی ہے۔ محلہ کے حالات ضرور تحریر فرمائیں۔ منتظر رہتا ہوں۔ باقی سب بخیر۔ راقم غوث خان سوائی۔

اس خط میں شاہ عالم خان کا ذکر ہے وہ آپ کے فرزند و بلند ہیں۔ جن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ دیگر اسما کی وضاحت کے لیے یہ موقع نہیں ہے۔

حضرت ضیا کڈپوی

حضرت مولانا مولوی ذوالفقار علی خان
سوریا زائی (سوم) المتخلص بہ ضیا کڈپوی

فرزند حضرت محبوب علی خان سوریا زائی شاعر عالم و فاضل اور عامل کامل بزرگ تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا ذوالفقار علی خان سوریا زائی (دوئم) اختر کڈپوی فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ کا تفصیلی تذکرہ اور دیوان کا مکمل تعارف راقم الحروف نے اپنی تصنیف ”اکتساب نظر“ میں کیا ہے۔ حضرت ضیا کڈپوی کے ابا و اجداد کڈپہ کے محلہ ”نبی کوٹ“ کے باشندے تھے۔ جہاں ماضی میں تشہر کان علم و ادب کی سیرابی کے لیے بہت سے چشمے جاری تھے اور جہالت کی تاریکیوں کو رفع کرنے کے لیے حکمت و بصیرت کی شمعیں روشن ہوا کرتی تھیں۔ برگھر گویا ایک مکتب تھا، حضرت ضیا ابتدا اپنے دولت کہے پر ہی کسب علم کرنے لگے۔ بنیادی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کے والد محترم نے آپ کو اس وقت کے علامہ اور سوائی یگانہ حضرت مولانا علی مراد شاہ افضل کڈپوی (متوفی ۱۳۱۰ھ) کی خدمت

افس میں اعلیٰ تعلیم کے لیے پہنچا دیا۔ کاشانہ شاہ افضلؒ ”بنی کوٹ“ ہی میں تھا۔ یہ بیک وقت درس گاہ و خانقاہ اور دارالشورا و دارالقضا کی حیثیت سے مشہور تھا۔ حضرت ضیاؒ اپنے استاد سے علم ظاہری کی تکمیل کے بعد علم باطنی کے حصول میں جٹ گئے چنانچہ آپ نے شاہ افضلؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، حضرت افضلؒ کی درس گاہ میں آپ کے شریکِ جماعت حضرت سید شاہ عبدالحق بخاری قادری شہیدِ زمالت (متوفی ۱۲۵۲ھ) اور حضرت سید شاہ نذر اللہ شاہ بخاری قادری اجل (متوفی ۱۲۵۲ھ) تھے علاوہ ازیں شہر کے قاضی القضاۃ حضرت سید مصطفیٰ حسین صاحبِ قدس سرہ (متوفی ۱۹۲۵ء) اور حکیم سید حسین عرف سید صاحب (متوفی ۱۹۱۵ء) سے بھی آپ کے گہرے مراسم تھے۔ ان دونوں حضرات کے وصال پر حضرت ضیاؒ نے بہت ہی مؤثر مرثیے تحریر فرمائے تھے جو نسخہ دیوانِ اختر میں محفوظ ہیں۔ یہ مخطوطہ آپ کی خوش نویسی کا حسین تحفہ ہے افسوس کی بات ہے کہ آپ کے جدِ امجد حضرت اختر کڈپوچی کا اردو کلام دستیاب نہ ہو سکا، البتہ آپ کے والدِ بزرگوار حضرت شعاع کے چند اشعار آپ کی بیاض میں پائے گئے ہیں جنہیں یہ یہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

آنر میں وہ چہرہ گلستا رکو زلف کو اور زلف کے ہزار کو
محمدؐ کے خاکِ قدم کی نشانی بنفشہ میں، لالہ میں نرگسِ نین میں
میں دو جہز میں ساری خدائی کو کچھا محمدؐ میں احمدؐ میں اور ذوالمننؐ میں
ہے محفل میں حضرت کے یکتا شعاع تو سخن میں سخن میں سخن میں سخن میں
حضرت ضیاؒ نے اپنے باپ دادا کے شاعر ہونے کی طرف قصیدہ اختر کے اس

شعر میں اشارہ کیا ہے:

نورِ اختر سے اقتباسِ شعاع پھر طفیلِ شعاع سے یہ ضیا
ایک اور شعر میں آپ نے اپنے استادِ محترم کا ذکر اپنی نعت میں مصرعہ
شاہ افضلؒ پر گرہ لگاتے کیا ہے: مصرعہ افضلؒ استاد ہوا مجھ کو پسند
آزماتا ہے خدا نیکوں کو اکثر کیا

اسی زمین کے چند اشعار اس طرح ہیں :-

نعتِ سروڑ کے مرے دل میں ہیں جو ہر کیا
مشنری دیکھیں کہاں مایہ اظہر کیا کیا
نقشِ یابی میں مرا شعر ہے ہر اک معمور
دیکھیں اب حیرت آئینہ سکندر کیا کیا
فر کے گوشے میں اللہ ری قناعت بولوں
باندھتے تھے شکم پاک یہ پتھر کیا کیا

آپ کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ بصورتِ خطوط آپ کے پڑپوتے عزیز القدر
ذوالفقار علی خان (چہارم) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ راقم کی نظر سے گزر چکا
ہے جو ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر ۱۲ سطر ہیں اور کتاب رائل سائز
میں ہے۔ ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے :-

یہی ہے مطلع دیواں مری روئے صفائی کا

سراپا نقش ہے ہر ہر ورق حمدِ خدائی کا

اختتامی شعر یہ ہے :-

دنیا ہے ایک ساعت مثلِ شفا ضیاء تم

اپنے ہی بور لیے پر کرتے رہو گزرا

دیگر متفرق اشعار ملاحظہ ہوں :-

• سینہ عذف کا موج گہرے ہوا ننگ
• میری زبان اور یہ گفتار دیکھ کر
• قطرے کا ذکر کیا کروں دریا کے سانے
• یوسف کا حسن اور ہے نغمہ الحین لگ
• طرزِ زمانہ دیکھ میں حیران ہوں آئینا
• جوڑا تو نقد ہے پہ مہرِ اب ادھار ہے

الغرض مذکورہ نمونوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی شاعری وارداتِ قلب کی
عکاس ہے۔ صاف سُتھری ہے، معنی آفرینی کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ نعتوں میں حضورِ
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا پتہ ملتا ہے۔

اسم گرامی لعل خان ولد جان خان اور

تخلص ادیب تھا۔ آپ کے والد بزرگوار

جناب ادیب کڈ پوی

دوڈ بالا پور (بنگلور) کے باشندے تھے۔ محکمہ پولیس میں داروغہ تھے۔ جان خان نے بعض

خانگی وجوہ کی بنا پر وطن عزیز کو خیر باد کہا اور مدن پٹی ر ضلع چتورا، آندھرا چلے گئے۔ آپ کا قیام ایک عرصہ تک مدتیلی میں رہا پھر وہاں سے بھی دل اکتا گیا، نو شہر کڈپہ کی طرف رخت سفر باندھا اور وہاں پہنچ کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آخر کار ۱۹۰۵ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ لعل خان ادیب ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے ابھی زندگی کی آٹھ ہی منزلیں طے کی تھیں کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم مدتیلی میں تھانہ تک تنلیگو اور اردو میں ہوئی۔ بعد ازاں جب والد ماجد کے ہمراہ کڈپہ منتقل ہوئے تو یہاں ساتویں جماعت تک انگریزی میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۰۷ء کو کڈپہ ریئر ز پولیس میں بھرتی ہو گئے۔ آپ کو بچپن ہی سے پڑھنے پڑھانے کا شوق تھا جس اتفاق کہنے کہ آپ کی آرزو برآئی، دو سال کے بعد اسی محکمہ میں پولیس ٹریننگ اسکول میں نائب معلم کا عہدہ مل گیا۔ پھر ایک عرصہ بعد آپ کی ترقی ہوئی ہسپتال کانٹبل بنا دیے گئے۔ چوں کہ آپ کو ابتداء ہی سے اردو کے ساتھ لگاؤ تھا، ادب اور شعراء کی کتابیں اور دواوین مطالعہ کرتے کرتے آخر ش آپ کو شاعری کا چسکا پیدا ہو گیا۔ آپ نے ۱۹۱۰ء سے باقاعدہ شاعری شروع کر دی۔ اس دور کے مشہور اساتذہ منظور صدیقی مدرسی، ابو المعانی شاد پونوی اور نامی نظامی شاہ پوری سے ربط پیدا ہوا تو مشورہ سخن کرنے لگے۔ چوں کہ آپ ذکی، فہیم اور حساس طبیعت کا مالک تھے اور فانی الشعر ہو گئے تھے۔ لہذا اپنی محنت اور مشقت اور اساتذہ کی توجہ و شفقت سے بہت جلد فارغ الاصلاح ہو گئے۔ آپ اپنے اساتذہ بے حد احترام کرتے تھے شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت جلد ترقی و رفعت کے مراحل طے کر ادئے۔ آستانہ محذوم اللہی سے آپ کو ”ادیب الکلام“ کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۵۶ء کو کل آندھرا پردیس اردو مجلس دراجندری نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں ”لعل سخن“ کے خطاب سے نوازا۔ ۱۹۵۶ء میں ”ادیب کے تنو شعراء“ کے نام سے پاکٹ سائز کتابچہ کا شانہ ادب نبی کوٹ کڈپہ سے شائع ہوا۔ جس کے مرتب پروفیسر جلال صاحب ایم لے، کڈپوی تھے۔

آپ کے کلام پر مختلف اساتذہ نے اظہارِ خیال فرمایا تھا۔ یہاں نمونہ مشہور نقاد و شاعر ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی کا مختصر و جامع تبصرہ نقل کیا جاتا ہے :

”لاریب کلام پر اخلاقی رنگ غالب ہے۔ تمام شعر معیاری ہیں، ضرب الہامی اور محاورات نظم کرنے کا بھی آپ کو شوق ہے۔ بہت سے شعر آپ نے اپنی زبان کی محبت میں سترلہ ہو کر کہے ہیں جو ہر طرح قابلِ تعریف ہیں۔“

معروف محقق نصیر الدین ہاشمی نے اس طرح اظہارِ خیال فرمایا: ”آپ کا کلام پاکیزہ اور اسلوب قابلِ توصیف ہے۔“

آپ کے منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ مذکورہ آراء کی توثیق ہو سکے۔

نمایاں ہیں عجب نیرنگیاں خالق کی صورت میں
کسی صورت نہیں ملتی ہے صورت اور صورت میں

ادیب ادیب نہیں خادم ادیب ادیب
اسی سبب وہ مشہور ہے زمانے میں

معمہ یہ ادیب اتیک سمجھ ہی میں نہیں آیا
ہے کیوں مجھ کو لگاؤ ان سے، ان کو مجھ سے نیرای

نیکچہ متعل اے بندہ پرور اشک سونی سے
مری گردن پہ احساں آپکا ہر سابقہ بھاری

دیکھو مجھے عیسیٰ مرضِ سل تو نہیں ہے
سینے میں مرے سنگ ہے یہ دل تو نہیں ہے

عذر ہے حیلہ ہے حوالہ ہے
دال میں کچھ ضرور کا لایا ہے

کھانسی کیا ہے گلے کی پھانسی ہے
موت کی یہ بھی اک نشانی ہے

بہر حال حضرت لعل خان ادیب کڈپہ کی ادبی تاریخ میں اپنا مقام بنانے کے بعد ۱۹۶۱ء میں اس دار فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ آپ کی تربیت اولاد میں جناب ظفر احمد خان مالک بمبئی فوٹو اسٹڈیو بقید حیات ہیں۔

الحمد للہ والمنة ”کڈپہ میں اردو“ کا حصہ اول ختم ہوا۔ راقم الحروف ان تمام اصحابِ علم و فضل و اربابِ ظرف و دل کا تہ دل سے شکر گزار ہے جن کے مخلصانہ تعاون ہی کی وجہ سے یہ تذکرہ اردو منظرِ عام پر آسکا۔ جزا ہم اللہ خیر الجزاء بحق سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً و بحق الہ و اصحابہ اجمعین الطیبین الطاہرین و الحمد للہ رب العالمین۔

تمت بالخير •

حوالہ جات

ع^۱ تا ریخ گوکنڈہ ص ۱۹۹، ع ۲۰۹ از عبد المجید صدیقی ۱۹۶۴ء ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد
 ع^۳ میکنزے رکاز ص ۱۴۵، ص ۱ اورینٹل میانسکرپٹ لائبریری۔ مدراس
 ع^۴ شیہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے، ڈاکٹر حسینی شاہد ۱۹۷۳ء انجمن ترقی اردو آنڈر
 ع^۵ تذکرہ اردو مخطوطات ج: ۱: ص: ۲۱۸، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ۱۹۸۳ء ترقی اردو بورڈ
 ع^۶ تذکرۃ الاعراس، شیخ محمد نجیب قادی الخاطب بہ محمد نجیب خان متوفی ۱۱۶۲ھ در مخطوطہ سکتا بت
 (۱۲۶۷ھ)

ع^۷ مقدمہ دیوانِ قرنی: ص ۱۵۔ پروفیسر سید محمد فضل اللہ: ۱۹۶۴ء اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد
 ع^۸ فیدہ زبدہ شرح قصیدہ بردہ: حسن علی خان ابن مفتی محمد علی خان: ۱۲۸۶ھ مدراس
 ع^۹ ترجمہ قصیدہ بردہ: محمد ابن رضا: مخطوطہ: سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدرآباد
 ع^{۱۰} یورپ میں دکنی مخطوطات، ص: ۳۹۲ تا ۳۹۴: نصیر الدین ہاشمی ۱۲۵۰ھ
 شمس المطابع۔ حیدرآباد۔

ع^{۱۱} اثر اعتقاد: امام محی الدین خان حاتم، حیدرآبادی: ص: ۱۵: مخطوطہ ۱۲۷۷ھ
 مخزن کتب خانہ شہمیری، آستانہ شہمیری۔ کٹپہ
 ع^{۱۲} میکنزے رکاز ص: ۱۴۵۔ ص: ۱۶۲: اورینٹل میانسکرپٹ لائبریری۔ مدراس
 ع^{۱۳} یورپ میں دکنی مخطوطات: نصیر الدین ہاشمی: ص: ۳۹۵، ۴۰۵، ۱۲۵۰ھ
 ع^{۱۴} بحوالہ شہمیری اولیاء از حکیم محمود بخاری صاحب: ص: ۳۵، ۱۹۵۵ھ بزم
 آستانہ شہمیری۔ کٹپہ

ع^{۱۵} اثر اعتقاد ص ۱۶۔ مخطوطہ

ع^{۱۶} نوائے ادب مجیبی۔ شمارہ اپریل ۱۹۵۳ء (قسط اول)
 ع^{۱۷} مکتوبات: جناب درویش احمد خان صوفی شہمیری: ۱۴ شعبان ۱۳۹۸ھ
 حیدرآباد۔ دکن

ع^{۱۸}، ع^{۱۹} اردو ادب میں مہدویوں کا حصہ، سید نصرت مہدی ید اللہی ص ۱۱۹

مطبوعہ ۱۹۸۴ء۔ اعجاز پرنٹنگس۔ حیدرآباد۔ دکن۔

ع۱۰ خاتم سلیمانی (جلداول)، حضرت ملک سلیمان گجراتی۔ ۱۱۵۰ء تا ۱۲۳۰ء مخطوطہ

مخزونہ سید نصرت مہدی فتح یاب خاں بازار۔ چنچل گوڑہ، حیدرآباد

ع۱۱ تذکرۃ البلاد والحکام: منشی میر حسین علی کرمانی حاکم ولد سید عبدالقادر کرمانی

۱۲۱۵ء۔ مخطوطہ مخزونہ سالار جنگ لائبریری۔ حیدرآباد۔

ع۱۲ اردو ادب میں ہمدویوں کا حصہ، ص: ۱۲۵ (حاشیہ)

ع۱۳ خطوطات انجمن ترقی اردو، کراچی۔ پاکستان: افدہ مدتی امور و ہوی

ع۱۴ جنوبی ہند کا بہترین ادب۔ نصیر الدین ہاشمی ۱۹۵۸ء۔ ادب

پبلی کیشنز۔ بنگلور

ع۱۵ اکتسابِ نظر۔ راہی فدائی، ص: ۵۴، ۱۹۹۱ء۔ ابوالحسن اکاڈمی، کڈپہ

ع۱۶، ع۱۷ یورپ میں دکنی مخطوطات ص: ۱۲۵، ص ۱۳۵ (حاشیہ)

ع۱۸ اکتسابِ نظر۔ راہی فدائی۔ ص: ۱۴

ع۱۹ میکنز رکارڈس: جلد ۱۴۹۔ ص: ۳۴

ع۲۰ اکتسابِ نظر، ص: ۲۳، ع۲۱ اکتسابِ نظر، ص: ۷

ع۲۲ نوائے ادب بمبئی ماہ اپریل ۱۹۵۳ء، ع۲۳: مضمون سید محمد حسینی

الملقب بہ شاہمیر راجپوتی۔ از محمد سخاوت مرزا۔ ایضاً

ع۲۴ تذکرۃ اردو مخطوطات: ص: ۱۵۰۔ مطبوعہ ۱۹۸۴ء

ع۲۵ نوائے ادب بمبئی: جولائی: مضمون سید محمد حسینی

ع۲۶ رسالہ انتباه الطالبین: حضرت شاہ میرا دل، مخطوطہ: مخزونہ ابوالحسن

اکاڈمی۔ کڈپہ۔

ع۲۷ میکنز رکارڈس: ج ۱۶۲: مخطوطہ

ع۲۸ مخطوطہ تذکرۃ البلاد والحکام از میر حسن علی کرمانی مرتبہ ۱۲۲۵ء

ع۲۹ یورپ میں دکنی مخطوطات: ص: ۳۹۱

ع۴۰ کتابیات اردو مشنوی: از ڈاکٹر فہمیدہ بیگم: ۵۱-۱۹۸۵ء بنگلوریو نیورسٹی بنگلور
 ع۴۱ اثر اعتقاد ص: ۱۲، ع۴۲ ایضاً ص: ۱۲، ع۴۳ ایضاً ص: ۱۳۔
 ع۴۴ مجدد جنوب حضرت قطب دیور از مولوی حافظ البشیر الحق قرشی، ص: ۲۵
 مطبوعہ ۱۹۸۹ء حضرت مکان۔ ویلور

ع۴۵ شہ میری اولیاء: ص: ۱۵۱

ع۴۶ تاریخ ادب اردو: ڈاکٹر جمیل جالبی: ج دوم، حصہ دوم: ص: ۱۰۰۹
 مطبوعہ ۱۹۸۶ء ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤز۔ دہلی ع

ع۴۷ ارشاد نوریہ، حضرت سید شاہ نور اللہ حسینی نور۔ مخزنہ کتب خانہ شہ میریہ
 ع۴۸ تجلی انوار۔ (مخطوطہ تصوف نمبر ۱۸۵۰) از حضرت سید شاہ نور اللہ
 ع۴۹ حسینی نور۔ مخزنہ کتب خانہ آصفیہ۔ حیدر آباد۔ دکن

ع۵۰ اثر اعتقاد، ص: ۱۶،

ع۵۱ ایضاً مخطوطہ کے سرورق سے پہلے یہ واقعہ اختصاراً درج ہے راقم کے پاس
 اس کی نقل بھی ہے۔

ع۵۲ شہ میری اولیاء، ص: ۱۱۴

ع۵۳ باقر آگاہ: مولفہ محمد یوسف کوکن مرحوم۔ مدراس یونیورسٹی۔ ص: ۲۶

ع۵۴ ایضاً ص: ۳۶

ع۵۵ نوائے ادب، بمبئی۔ جنوری ۱۹۵۴ء ص: ۱۸

ع۵۶ رسالہ انجمن ترقی اردو، اکتوبر ۱۹۴۲ء بحوالہ نوائے ادب بمبئی، جنوری ۱۹۵۴ء

صفحہ نمبر ۸

ع۵۷ ماہنامہ آفاق۔ ندیال، جولائی ۱۹۴۷ء مضمون سید کمال الدین شاہ کمال

ع۵۸ کڈ پوی۔ از محمد سخاوت مرزا ص: ۲۱، ص: ۱۷

ع۵۹ تاریخ ادب اردو: ج دوم، حصہ دوم: ڈاکٹر جمیل جالبی ص: ۱۲۰۶

ع۶۰ شہ میری اولیاء: ص: ۵۸۔

- ع۶۱ اثر اقبال ، ص: ۱۷ ع۶۲ ایضاً ص: ۶ (حاشیہ)
- ع۶۲ ایضاً ص: ۵
- ع۶۳ گلدستہ شہ میریہ - طبع اول ۱۹۷۶ء ص: ۹۸ تا ۱۰۲ -
ناشر آستانہ شہ میریہ کڈپہ
- ع۶۵ شہ میری اولیا ، ص: ۱۴۷ ، ع۶۶ ص: ۱۴۸
- ع۶۷ ایضاً ص: ۱۴۸ ، ع۶۸ ص: ۱۵۳
- ع۶۹ تذکرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت؟ - از محمد سخاوت مرزا
ص: ۱۶۸ - ۱۹۶۲ء - انسٹی ٹیوٹ آف انڈیوڈل ایسٹ کلچر
اسٹڈیز - حیدرآباد
- ع۷۰ ایضاً ص: ۱۶۵
- ع۷۱ عشق مصطفیٰؐ - از حضرت سالک کڈپوی - مطبوع در مطبع
عزیزہ مدراس ص: ۲۰ اور ۲۳
- ع۷۲ تذکرہ اردو مخطوطات - جلد اول ، ص: ۱۹۴
- ع۷۳ شہ میری اولیا - ص: ۶۹
- ع۷۴ نوائے ادب - بمبئی - جنوری ۱۹۵۴ء مضمون سید شاہ
فقیر الدین مقبل میسوریؒ ، ص: ۸ ، محمد سخاوت مرزا
- ع۷۵ شہ میری اولیا - ص: ۱۳۲
- ع۷۶ نوائے ادب - بمبئی ، جنوری ۱۹۵۴ء مضمون سید شاہ
فقیر الدین مقبل میسوریؒ ، ص: ۱۵
- ع۷۷ ایضاً ص: ۱۱
- ع۷۸ ایضاً ص: ۹
- ع۷۹ ایضاً ص: ۱۷
- ع۸۰ شہ میری اولیا ، ص: ۷۵

۸۱ء عارفین از سید عباس ایم لے، ۱۹۶۵ء۔ آستانہ مخدوم الہی۔

امین پیر روڈ۔ کڈپہ۔ ص: ۸۹

۸۲ء ایضاً ص: ۹۱

۸۳ء بیاض حضرت ضو ویلوری (مخطوطہ) ملکیت حضرت مولانا مولوی

حضرت محمد جعفر حسین فیضی صدیقی باقوی مدظلہ العالی۔ بیسہ باقی

مدرسہ باقیات صالحات، ویلور و استاذ جامعۃ العلوم الثنائیہ کڈپہ

۸۴ء ماہ نامہ 'شان ہند' دہلی۔ مدیر سرور تونسوی۔ ص: ۳۲

شمارہ: اپریل ۱۹۵۷ء

۸۵ء ہفتہ وار 'ہماری زبان' علیگڑھ۔ شمارہ ۵۵۔ جنوری ۱۹۵۷ء

۸۶ء مکتوب مولوی نصیر الدین ہاشمی حیدرآباد۔ ۱۹۵۷۔ ۲۔ ۱۳

بنام جناب ادیب کڈپوی

۸۷ء ادیب کے سوشل ان لعل خان ادیب کڈپوی مطبوعہ ۱۹۵۶ء

”عکسِ کتابِ نظر“

”یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے آپ کو نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے آپ کے تحقیقی مضامین ہماری معلومات میں خاطر خواہ اضافہ کرتے ہیں۔ ساغر جیدی اور علیم صبا نویدی پر آپ کے مضامین آپ کے بے پناہ شعور کا پتہ دیتے ہیں۔ کرامت علی کریم“

”مضامین پڑھ کر میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ آپ نے بعض مضامین میں تحقیقی کاوش کا ثبوت دیا ہے۔ اس طرح کے مضامین کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔“

عظیم الشان صدیقی

”آپ نے سنجیدہ موضوعات کی طرف توجہ دی ہے۔“ شتوی یوسف زلیخا کا نو دریافت مخطوطہ، ”شتوی و مدح ٹیپو سلطان“، ”و شام میں اردو کا ارتقاء“ یہ تمام عنوانات ایسے ہیں جن کو ہمارے ادب میں پہلی بار آپ نے موضوع گفتگو بنانے کے ساتھ ہی ساتھ علیم صبا نویدی کی نعت گوئی پر مضمون لکھ کر آپ کے معاصر فن کاروں کا بھی حق ادا کیا ہے۔“

ملک زادہ منظور احمد

”آپ نے اہل جنوب کی خدمات کو خوب ابھارا ہے۔ ص ۶ کا یہ شعر پر لطف ہے: ہمارے اردو زبان والے اب کیا کریں گے دعویٰ ہندوستان والے تمام تر مضامین معلومات افزا ہیں۔“

گیان چند

”اس بات سے خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی نقد و جستجو کا موضوع جنوب کے ادیبوں کو بنایا ہے، علاقائی ادب کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن بہت سے ایسے ادیب جو اپنی جگہ اور اپنے علاقے میں تو اہم ہوتے ہیں لیکن ملکی پیمانے پر بات کی جائے تو وہ بھیر بھار میں گم ہو جاتے ہیں اس کی طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے۔ توسیع ادب کی بنیاد تو یہی حضرات فراہم کرتے ہیں اور جب ان پر آپ کا قلم اٹھے تو ان کی حیثیت کو اعتبار حاصل ہوتا ہے۔“ عتیق احمد صدیقی

”آپ کو قلم ازل نے ایسی تخلیق طبع بخشی ہے جو ایک طرف شاعری کے میدان میں گل کھلا رہی ہے تو دوسری طرف کارزارِ نثر میں اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔“

عنوان چشتی

CUDDAPAH-MEIN-URDU

BY

Moulana Zaheer Ahmed

RAHI FIDAYEE, M.A.,

ایم اے
ظہیر احمد راہی فدائی باقوی

کہ دوسری تصانیف

- | | | |
|------|--------------------|-------------|
| ۱۹۸۴ | ۱۔ تصنیف | شرعی مجموعہ |
| ۱۹۸۷ | ۲۔ اہل | ” |
| ۱۹۹۰ | ۳۔ ترجمہ | ” |
| ۱۹۹۳ | ۴۔ باقیات ایک جہاں | نثر |
| ۱۹۹۸ | ۵۔ تجزیہ | ” |
| ۱۹۹۱ | ۶۔ مسلک باقیات | ” |
| ۱۹۹۱ | ۷۔ کتابہ نظر | ” |

Printed at

Tamilnadu Urdu Publications

Madras - 600 002.